حضرت عیسیٰ ابنِ مریمؑ

کا

وصال

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِرُ

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام کا وصال

آدم سے لے کر آج تک کروڑوں اربوں انسان پیدا بھی ہوئے اور مر بھی گئے لیکن کسی کی پیدائش اور وصال ایسا معمہ نہیں بنے۔ جیسا کہ حضرت مسیح ابنِ مریمؑ ناصری کی پیدائش اور وصال آپ کی پیدائش بھی ایک معمہ تھی اور زندگی اور موت کا سوال بھی! اس وقت اس رسالہ میں جس اختلافی مسئلہ پر قلم اٹھانا مقصود ہے وہ بھی آپ کے وصال ہی کا سوال ہے جس نے دو ہزار برس ہونے کو آئے یہود۔ نصاریٰ اور مسلمانوں کو ایک عجیب کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اور کیا بلحاظ پیدائش اور کیا بلحاظ وفات تینوں کا نظریہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ اختلاف اسی حد تک محدود نہیں۔ بلکہ عیسائی اور مسلمان فرقوں کے درمیان اس بارہ میں مزید اندرونی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں اور نہ تو تمام عیسائی فرقے کسی ایک نظریہ پر متفق ہیں نہ تمام مسلمان فرقے۔ لیکن اس مختصر کتابچہ میں ان تمام اختلافات پر بحث نہیں کی جائے گی بلکہ بحث کو صرف مسلمانوں کے ایک اندرونی اختلاف تک ہی محدود رکھا جائے گا۔

اختلاف یہ ہے کہ گو اکثر دوسرے مسلمان فرقے حضرت مسیح ناصریؑ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ صلیب پر فوت ہونے کی بجائے زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور آج تک زندہ آسمان پر ہی موجود ہیں۔ لیکن جماعتِ احمدیہ اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتی۔ جماعتِ احمدیہ کے نزدیک

حضرت عیسیٰ ابنِ مریمؑ دوسرے انبیاء کی طرح اپنی طبعی عمر گذار کر اسی دنیا میں فوت ہو چکے ہیں۔ اور آپ کی وفات کا مسئلہ واضح طور پر قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ رہا یہ سوال کہ اگر حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں تو پھر حضرت رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس مسیح کے آنے کی خبر دی تھی۔ تو اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسیحؑ عیسیٰ ابنِ مریمؑ کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی فرمائی تھی وہ دراصل اُمّتِ محمدیہ ہی کے ایک مصلح کے متعلق تھی جسے مسیحؑ کا نام مثالی طور پر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس میں حضرت مسیحؑ کے ساتھ اخلاقی اور رُوحانی مشابہتیں پائی جاتی تھیں۔ جیسے بعض اوقات کسی بہادر شخص کو شیر کہہ کر پکارا جاتا ہے یا بہت سخی آدمی کو حاتم طائی کہہ دیتے ہیں۔

جماعتِ احمدیہ پر اکثر غیر از جماعت علماء جو کُفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ جیسا کہ مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے۔ جماعت احمدیہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وفات یافتہ تسلیم کرتی ہے جبکہ دوسرے علماء یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی تک زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک فوت نہیں ہوئے اس لئے جماعتِ احمدیہ اس بات کا انکار کر کے دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت جماعتِ احمدیہ پر یہ الزام عائد کرنا سراسر ناواجب اور امرِ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث سے ہرگز حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ثابت نہیں بلکہ یہ دونوں ہی واضح الفاظ میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات کی خبر دے رہے ہیں۔ گویا آپ کی زندگی کا عقیدہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے نہ کہ وفات کا۔ چنانچہ اسی سوال پہ بحث کرتے ہوئے بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی فرماتے ہیں :۔

" اس کا ثبوت نہ قرآن شریف سے ملتا ہے نہ حدیث سے اور نہ عقل اس کو باور کر سکتی ہے۔ بلکہ قرآن اور حدیث اور عقل تینوں اس کے مکذّب ہیں۔ کیونکہ قرآن

شریف نے کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور معراج کی حدیث نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ وہ فوت شدہ انبیاء علیہم السلام کی رُوحوں میں جا ملے۔ اور اِس عالم سے بکلّی انقطاع کر گئے اور عقل ہمیں بتلا رہی ہے کہ اس جسم فانی کے لئے یہ سنّت اللہ نہیں کہ یہ آسمان پر چلا جائے اور باوجود زندہ مع الجسم ہونے کے کھانے پینے اور تمام لوازمات سے الگ ہو کر ان رُوحوں میں جا ملے جو موت کا پیالہ پی کر دوسرے جہان میں پہنچ گئے ہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد، ص۱۷۳)

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

" اگر پوچھا جائے کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے ؟ تو نہ کوئی آیت پیش کر سکتے ہیں اور نہ کوئی حدیث دکھلا سکتے ہیں۔ صرف نزول کے لفظ کے ساتھ اپنی طرف سے آسمان کا لفظ ملا کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ کسی حدیث مرفوع متصل میں آسمان کا لفظ پایا نہیں جاتا اور نزول کا لفظ محاوراتِ عرب میں مسافر کے لئے آتا ہے اور نزیل مسافر کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک کا بھی یہی محاورہ ہے کہ ادب کے طور پر کسی واردِ شہر کو پوچھا کرتے ہیں کہ آپ کہاں اُترے ہیں۔ اور اس بول چال میں کوئی بھی یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ شخص آسمان سے اُترا ہے۔ اگر اسلام کے تمام فرقوں کی حدیث کی کتابیں تلاش کرو تو صحیح حدیث تو کیا وضعی حدیث بھی ایسی نہیں پاؤ گے جس میں یہ لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰؑ جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے اور پھر کسی زمانہ میں زمین کی طرف واپس آئیں گے۔ اگر کوئی حدیث پیش کرے تو ہم ایسے شخص کو بیس ہزار روپیہ تک تاوان دے سکتے ہیں۔ اور توبہ کرنا

اور تمام اپنی کتابوں کو جلا دینا اس کے علاوہ ہوگا۔ جس طرح چاہیں تسلی کر لیں۔"

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۷-۲۰۸ و صفحہ ۲۲۵-۲۲۶ حاشیہ)

قارئین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر وفاتِ مسیح کا مسئلہ اتنا واضح اور قطعی تھا تو علماءِ اسلام کو ایسی صریح غلطی کیسے لگ گئی؟ اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر جانے کا عقیدہ کیسے بنا لیا۔ اور اپنی تائید میں جو وہ قرآن کریم کی آیتیں اور حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ ان کا احمدیوں کے پاس کیا جواب ہے؟ یہ ایک معقول اور جائز سوال ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ پہلے غیر از جماعت علماء کے پیش کردہ دلائل کی چھان بین کر لی جائے۔ اگر ہماری جرح کے بعد یہ قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ جو مطلب وہ ان قرآنی آیات یا احادیث سے نکالتے ہیں وہ غلط ہے تو پھر سوال کے اس حصّہ کا جواب کہ انہیں اتنی واضح غلطی کیسے لگ گئی باقی رہ جاتا ہے۔ جس کے اصل جوابدہ تو وہ خود ہی ہیں تاہم اس بارہ میں اپنے تاثرات بھی پیش کر دیئے جائیں گے اور اس کے بعد قارئین کی مزید تسلّی کیلئے قرآن کریم کی ایسی آیات، احادیث اور بعض مشہور بزرگانِ اسلام کے حوالہ جات بھی پیش کریں گے جن سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ مسیح ابنِ مریمؑ جو بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے وہ فوت ہو چکے اور اپنے جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔ ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے دلائل کو پڑھنے کے بعد تمام پڑھنے والے ہم سے اتفاق کریں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا عقیدہ غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت گستاخی کا موجب اور اسلام کے لئے سخت نقصان دِہ ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور غیر از جماعت علماء

غیر از جماعت علماء کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے کے حق میں

فی الحقیقت تو قرآن کریم کی ایک آیت بھی نہیں۔ البتہ جو دو آیات پیش کر کے وہ ناحق ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ وہ درج ذیل ہیں:۔

اوّل:۔ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ج وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۙ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (سورۃ النساء آیت ۱۵۸، ۱۵۹)

دوم:۔ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ج (سورۃ آل عمران آیت ۵۶)

اب ہم ان دونوں آیات کے دو دو ترجمے دیتے ہیں۔ یہ ترجمے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی اور جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے کئے ہوئے ہیں۔ جن کا شمار مسلمانوں کے مشہور علماء میں ہے۔ یہ طریق ہم نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ غیر از جماعت کہیں بحث سے قبل ہی اس شک میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ احمدیوں نے اپنی مرضی کا غلط ترجمہ بنالیا ہے۔

پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے:۔ لفظی ترجمہ از حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی:۔

" اور بسبب کہنے اُن کے کہ تحقیق ہم نے مار ڈالا مسیح عیسیٰؑ بیٹے مریم کے کو کہ پیغمبر اللہ کا تھا اور نہیں مارا اُس کو اور نہ سُولی دی اس کو اور لیکن شبہ ڈالا گیا واسطے اُن کے اور تحقیق جو لوگ کہ اختلاف کیا انہوں نے بیچ اس کے۔ البتہ بیچ شک کے ہیں اس سے نہیں واسطے ان کے ساتھ کچھ علم مگر پیروی کرنا گمان کا اور نہ مارا اس

کو بہ یقین بلکہ اٹھالیا اس کو اللہ نے طرف اپنی اور ہے اللہ غالب حکمت والا"۔
(قرآن کریم مطبوعہ تاج کمپنی طباعت ۶۲ء)

اسی آیت کا با محاورہ ترجمہ جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ہے درج ذیل ہے:۔

"اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کو جو کہ رسول ہیں اللہ کے قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ اُن کو قتل کیا اور نہ اُن کو سُولی پر چڑھایا لیکن اُن کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ اُن کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں اُن کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھالیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں"۔ (قرآن کریم مطبوعہ تاج کمپنی طباعت ۶۲ء)

اب دیکھئے ان دونوں ترجموں میں کہیں بھی حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اُٹھانے کا ذکر نہیں ملتا حالانکہ یہی وہ بنیادی آیت ہے جس سے غیر احمدی علماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا ثابت کرتے ہیں۔ اس آیت کا کیا ذکر۔ آپ قرآن کریم اٹھا کر بسم اللہ کی "ب" سے لے کر والنّاس کی "س" تک ایک ایک لفظ پڑھ کر دیکھ لیجئے ہرگز کہیں یہ ذکر نہ ملے گا۔

عُلماء کو غلطی کیوں لگی؟ کوئی کہہ سکتا ہے کہ علماء نے اس آیت سے جو یہ مفہوم سمجھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان پر اُٹھا لیا ہے تو آخر اس کے پیچھے کوئی تو بات ہوگی۔ بغیر وجہ کے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ پس آئیے وہ وجہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ تاکہ آپ خود فیصلہ فرما سکیں کہ کس حد تک وجہ معقول ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو صلیب پر مارنے کی کوشش کی تھی اور زیرِ غور آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہود کہتے تھے ہم نے اُسے صلیب پر مار دیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہرگز نہیں۔ نہ تو یہودیوں نے عیسیٰ بن مریمؑ کو صلیب پر مارا نہ ہی وہ اُسے قتل

کر سکے۔ بلکہ معاملہ اُن پر مشتبہ ہو گیا۔۔۔۔ وہ ہرگز اسے قتل نہیں کر سکے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے اُسے اپنی طرف اُٹھا لیا۔ ایک طرف تو یہ آیت ہے اور دوسری طرف تاریخ اور بائیبل سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو واقعی یہود نے سُولی پر چڑھا دیا تھا۔ اور وہ اس پر کچھ عرصہ لٹکے بھی رہے۔ پھر انہیں صلیب پر سے اتارا گیا اور ان کے دو حواری ان کا جسم اُٹھا کر کہیں لے گئے۔

اب علماء ان دو مخالف بیانات کی وجہ سے بڑے چکر میں پڑ گئے۔ کہ ایک طرف قرآن سچا اور دوسری طرف تاریخی ثبوت بڑا پکا۔ بائیبل بھی گواہ۔ یہودی بھی گواہ۔ عیسائی بھی گواہ کہ مسیح کو واقعی صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ اور پھر ان کے جسم کو جو بظاہر مُردہ نظر آتا تھا۔ اتار ابھی گیا۔ آخر اس اُلجھن کا حل کیا ہے؟ الجھن کا حل انہیں ساتھ ہی مل گیا اور بہت زیادہ تردّد کی ضرورت نہیں پڑی۔ انہوں نے سوچا کہ آیت کے آخر پر یہ جو ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف اُٹھا لیا۔ تو ہو نہ ہو اس کا یہی مطلب ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اُٹھا لیا! دروا قعہ یوں ہُوا ہوگا۔ کہ جب یہودی حضرت مسیح علیہ السّلام کو صلیب پر چڑھانے کے لئے لے چلے تو حضرتِ مسیح کی گریہ وزاری پر اللہ تعالےٰ نے ضرور فرشتے بھیجے ہوں گے کہ چھت پھاڑ کر صلیب والے کمرہ میں اُترو۔ میرے مسیح کو تو اٹھا کر آسمان پر لے آؤ۔ اور اس کی جگہ کسی یہودی کو (نعوذ باللہ) بالکل مسیح کی شکل میں تبدیل کر کے اسی کمرہ میں چھوڑ آؤ۔ اب دیکھ لیجئے اس تشریح سے دونوں گھر پُورے ہو گئے۔ قرآن کریم کی بات بھی سچی ہو گئی اور تاریخ کی بات بھی ٹھیک ثابت ہوئی کہ ایک شخص بالکل مسیح کی شکل کا جسے یہودی اور عیسائی مسیح ہی سمجھتے رہے بظاہر مُردہ حالت میں صلیب پر سے اتارا گیا۔ اور اُسے حواری مسیح کی لاش سمجھ کر اُٹھا لے گئے۔ حالانکہ وہ (نعوذ باللہ) ایک کافر یہودی کی لاش تھی۔ عُلماء نے خیال کیا۔ کہ یہ جو لکھا ہے کہ یہودی اس بارہ میں شُبہ میں پڑ گئے تو اس سے بھی یہی مراد تھی کہ وہ نادان جس شخص پر مسیح ہونے کا شبہ

کرتے رہے وہ مسیح تھا ہی نہیں بلکہ ایک یہودی تھا۔

اس تشریح کی حقیقت

اس مسئلہ پر تفصیلی علمی بحث تو آگے آئے گی فی الحال اس تشریح سے متعلق بعض گزارشات کرنی چاہتا ہوں۔

یہ کہانی ہے تو بہت دلچسپ لیکن قدرتی طور پر دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علماء کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ مذکورہ بالا طریق پر فرشتہ آسمان سے اُترا۔ اور چھت پھاڑ کر حضرت مسیحؑ کو تو اُن کے قید خانے سے باہر نکال آسمان پر اٹھائے گیا اور اُن کی جگہ ایک یہودی کو (نعوذ باللہ) ان کی شکل میں ڈھال اس غرض سے پیچھے چھوڑ گیا کہ یہودی حضرت مسیح علیہ السّلام کے شُبہ میں اُسے صلیب پر چڑھا دیں۔

چاہیئے تھا کہ اس موقع پر وہ تبدیل شدہ شکل والا یہودی یا تو اس معجزہ کو دیکھ کر خود ایمان لے آتا۔ اور بہ حیثیت ایک مومن حضرت مسیح علیہ السّلام کا کفارہ ہو جاتا اور یا پھر وہ اپنے ہم قوم لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا واسطہ دے کر اس ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے واویلا کرتا اور اپنی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے اصل مسیحؑ سے بیزاری کا اظہار کرتا۔ کم سے کم اتنا ہی کہہ دیتا کہ اگر مجھے ہی مسیحؑ سمجھنے پر مُصر ہو تو مَیں اب اپنے پُرانے خیالات سے توبہ کرتا اور دوبارہ استغفار کرتا ہُوا اُمّتِ موسوی میں داخل ہوتا ہوں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ مندرجہ بالا عقلی امکانات میں سے ایک بھی عملاً ظہور پذیر نہ ہُوا۔ بلکہ جس شخص کو بطور عیسیٰ ابنِ مریم اس جرم میں سُولی پر لٹکایا گیا تھا کہ وہ مسیحؑ ہونے کا دعویدار تھا وہ تو۔ تا وقتیکہ نیم جان حالت میں صلیب سے اتار نہیں لیا گیا۔ بے مثل صبر و رضا کا نمونہ بنا رہا اور ایک کلمہ بھی ایسا مُنہ سے نہ نکالا۔ جو مذکورہ بالا امکانات میں سے کسی ایک کی بھی تائید کرتا ہو۔ بلکہ آخر وقت تک وہ اپنے رب کو یاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ صلیب کے دُکھ سے نڈھال ہو گیا۔ اور بالآخر موت کے مشابہ ایک غشی نے اُسے آلیا۔

ظاہر ہے کہ تاریخ اس خیالی واقعہ کو سراسر جھٹلا رہی ہے۔ پھر دریافت طلب امر یہ رہ جاتا

ہے کہ یہ قصہ پیش کرنیوالوں کی بنیاد آخر کس چیز پر ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض اوقات تاریخ ایک واقعہ کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ یا غلط رنگ میں پیش کرتی ہے۔ لیکن اس کے ثبوت کے طور پر یا تو متقابل تاریخی اور عقلی دلائل دینے ضروری ہیں یا پھر اس اختلاف کی بنیاد کسی الہامی کتاب پر ہونی چاہیئے۔ بلا تاریخی، عقلی یا الہامی دلیل کے کوئی کیسے ایک سراسر بعید از عقل قصہ مان لیا جائے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہم مسلمان ہیں اور ہرگز ہمارے عقائد کی بنیاد فضول قصوں اور کہانیوں پر نہیں ہے۔ قرآن کریم جیسی روشن کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ جو دلائلِ بیّنات سے پُر بات منواتی ہے۔ پھر اس سے اُتر کر سنّت اور حدیثِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے پھر کئی بزرگانِ اسلام بھی ایسے گذرے ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ کشوف اور الہامات کے ذریعہ مختلف حقائق ظاہر کرتا رہا ہے۔ پس ایسے علماء جو اس قصہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، کم از کم یہ تو واجب ہے کہ اگر تاریخ اور عقل سے اس کے حق میں کوئی ثبوت پیش نہ کر سکیں تو دلائل نقلیہ ہی سے جو قرآن، حدیث یا بزرگانِ سلف کے رؤیا و کسوف میں سے ہوں، ایسے دلائل پیش کریں جو اس قصہ کو درست ثابت کرتے ہوں۔ پس مَیں قرآن ہی کی زبان میں انہیں کہتا ہوں۔ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۲) کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعویٰ کی تائید میں کھلے کھلے ثبوت پیش کرو!

صرف یہی نہیں کہ یہ قصہ بے دلیل و بے بنیاد ہے بلکہ اسے تسلیم کرنے سے اور بھی کئی برائیاں لازم آتی ہیں۔ مثلاً مَیں تو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سوچ نہیں سکتا۔ کہ خدا تعالیٰ کسی لعنتی کافر کو اپنے کسی برگزیدہ رسُول کی شکل میں تبدیل کر دے۔ یہ بات کہتے ہُوئے مولوی صاحبان کو خُدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے اور استغفار کرنی چاہیئے۔ اللہ اللہ! ایک یہودی بدبخت کو حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا ہو! کیسا مکروہ خیال ہے کہ سوچنے سے بھی طبیعت متلاتی ہے!...... پھر یہ بھی نہیں کہ کسی خبیث نے شرارت کی راہ سے خود ہی کسی نبی کی شکل بنانے کی کوشش کی ہو۔ بلکہ دعویٰ

یہ کیا جا رہا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیج کر ایک یہودی کو زبردستی مسیح کی شکل میں تبدیل فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی گستاخی کہ وہ نعوذ باللہ خود ہی اپنے پیارے رسولوں کی ذلت کے سامان کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ خدا جو محمد مصطفیٰ ؐ اور قرآن کا خُدا ہے۔ وہ تو کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ دیکھئے وہ اپنے رسُولوں کی عصمت اور عزّت کے لئے کیسی غیرت رکھتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ جب کوئی مجھے خواب میں دیکھتا ہے تو اس نے مجھے ہی دیکھا ہوتا ہے۔ کیونکہ شیطان کی یہ مجال نہیں کہ وہ میری شکل اختیار کر سکے۔ دیکھئے اسلام کا خُدا اپنے پیاروں سے کیسی محبت کرنے والا ہے کہ وہ کسی شیطان کو خواب میں بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے برگزیدہ رسُول کی مقدّس صورت کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنا سکے۔ گویا یہ کہ فی الواقع خود ہی شیطانوں کو پکڑ پکڑ کر نبیوں کی شکلوں میں لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگے۔

ایک اور پہلو سے بھی اس قِصّہ پر نظر کیجئے۔ بفرضِ محال اگر یہ قصّہ درست ہے تو یہود کو تو خدا تعالیٰ نے دھوکے میں مبتلا کر دیا۔ لیکن بے چارے زخم خوردہ حواریوں کا کیا قصُور تھا کہ ان سے بھی ایسا دردناک انتقام لیا گیا؟ ذرا سوچئے تو سہی کہ اگر یہ قصہ سچا ہے تو حواری جس جسم کو صلیب پر سے اتار کر لے گئے اور روتے روتے اس کے زخموں کو اپنے آنسوؤں سے تر کر دیا وہ کس کا جسم تھا؟ کیا خدا تعالیٰ کو اس وقت ان پر رحم نہ آیا کہ جس جسم کو وہ اپنے مقدّس رسُول کا جسم سمجھ کر اس کے پاؤں چومتے اور خاکِ پا کو آنکھوں سے لگاتے ہیں وہ ایک نبی کا جسم نہیں بلکہ نعوذ باللہ ایک کافر یہودی کا جسم ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے مقدّس رسُولوں اور ان کے پیارے صحابہ سے اسی قسم کے تمسخر کیا کرتا ہے؟

کاش علماء اپنی اس غلطی کو سمجھ جائیں اور استغفار کریں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے جان بوجھ کر خدا اور اُس کے ایک رسول کی ہتک کی ہے۔ مگر اتنا تو ضرور ہے کہ اپنی ناسمجھی میں بغیر

سوچے سمجھے ایک ایسی بات گھڑلی جو فی الحقیقت بہت بڑی ہے اور جس سے خدا اور اس کے ایک مقدس رسول کی سخت گستاخی لازم آتی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے خاکم بدہن اس قسم کے کھیل دنیا کو دکھانے ہوتے تو اس وقت کیوں نہ ایسا کیا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرمارہے تھے؟ کیا علماء جانتے نہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ جانے لگے۔ تو کفار نے قتل کے ارادے سے آپؐ کے مکان کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور یہ نگرانی کر رہے تھے کہ قتل کے مقررہ وقت سے پہلے ہی کہیں آپ قبضہ سے نہ نکل جائیں۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا۔ جس سے کفار دور سے دیکھ کر یہی سمجھتے رہے کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی لیٹے ہوئے ہیں۔ اس طرح حضور علیہ السلام کو بآسانی ہجرت کا موقعہ مل گیا۔ اب فرمائیں علماءِ کرام کہ یہاں حضرت علیؓ کو لٹانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں نہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےؑ والی تدبیر استعمال فرمائی؟ کیوں نہ حضرت علیؓ کے بجائے خاکم بدہن ابوجہل یا کسی اور دشمن کا حلیہ تبدیل کیا گیا؟ نعوذ باللہ من ذالک۔

میرا تو اس تصور سے بھی خون کھولنے لگتا ہے۔ کہ کوئی مردود کافر ایک لمحہ کے لئے بھی میرے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کا روپ دھارتا۔ حضرت علیؓ نے جو ایک رات اپنی جان پر خطرہ لیا اس کا تو کیا ذکر۔ خدا کی قسم اگر جمیع صحابہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کی خاطر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہونا پڑتا تب بھی خدا تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہ کرتی کہ ان صحابہ کو قربان کرنے کی بجائے کسی کافر کو ایک لمحہ کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار کرنے کی اجازت دے دیتا تاکہ کفار دھوکے میں آکر اُسے قتل کر دیں۔ علماء اس خیال سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی ناموس اور عصمت کیلئے بڑی غیرت رکھتا ہے۔ اور پھر ذرا یہ بھی سوچیں۔ کہ اُسے یہ تماشہ دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر اسے

کسی یہودی کو مارنا ہی تھا تو ویسے ہی مار دیا ہوتا۔ ضرور اپنے نبی کی مقدس شکل دے کر مارنا تھا؟ اگر حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو بچانا تھا تو ویسے ہی بچا لیا ہوتا۔ ضرور آسمان پر اُٹھا کر دو ہزار برس زندہ رکھنا تھا۔ پھر اگر آسمان پر اٹھانا ہی تھا۔ تو آپکے بعد ایک یہودی کی شکل تبدیل کر کے اُسے حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ مبارک میں صلیب پر لٹکانے میں کیا حکمت تھی؟ کیا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو یہ خوف تھا کہ اگر یہودیوں کو پتہ چل گیا کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان کی طرف اٹھائے جا رہے ہیں تو وہ ان کا پیچھا کر کے آسمان پر پہنچنے سے پہلے پہلے ہی انہیں فرشتہ سے واپس چھین لائیں گے؟ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ۔ کیا لغو قصہ بنایا ہے کسی نے ۔۔۔۔ نہ تو قرآن میں، نہ حدیث میں، نہ تاریخ میں عقل کا دشمن یہ قصہ قصہ جس کا سر ہے نہ پیر۔ کہا جاتا ہے کہ سب مسلمان اس پر بغیر اعتراض کئے ایمان لے آئیں! آخر کیوں لے آئیں ایمان؟ ۔۔۔۔۔۔ ہاں اگر دلائل سے قائل کر دیں تو سو ہزار بار جو چاہے کوئی ہم سے منوالے۔

آئیے ایک اور پہلو سے اب اس قصہ پر غور کریں کہ اس کھیل تماشے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد کیا ہو سکتا تھا! ذرا سوچ کر دیکھئے کہ آخر کیوں اللہ تعالیٰ نے ایسا فعل کیا؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ یہودیوں کو ذلیل کرنے اور اُن کا مذاق اڑانے کے لئے ایسا کیا گیا ہو یعنی یہودی تو اپنی طرف سے ایک نبی کو مار رہے ہوں لیکن مارا جائے خود انہی میں سے ایک یہودی اور خوب دنیا میں ان کی ذلت اور جگ ہنسائی ہو اور عیسائی بھی بڑھ بڑھ کر ان سے ٹھٹھا کریں کہ واہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہودیوں سے کیا انتقام لیا ہے۔ کالا مُنہ کر دیا سب کا۔ لٹکا کر تو اپنے زعم میں حضرت عیسیٰؑ کو گئے تھے لیکن اُن کی بجائے ایک یہودی کو صلیب پر لٹکا ہوا پایا۔ مگر یہود سے یہ لطیفہ تو تب بنتا جب وہ یہودی کم از کم مرنے کے بعد ہی اپنی منحوس صورت پر واپس آگیا ہوتا۔ ایسا تو کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ بلکہ جو شخص صلیب پر چڑھایا گیا تھا اُترتے وقت بھی اس کی صورت حضرت عیسیٰؑ ہی کی تھی۔ پھر آپ ذرا خود سوچ کر دیکھ لیجئے کہ

تماشہ کس کا بنا؟ یہود کا یا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے نبی کا؟ افسوس صد افسوس کہ بعض لوگ خدا تعالیٰ کا دماغ بھی اپنے جیسا ہی سمجھ لیتے ہیں اور نہایت لغو اور بے معنی قصّے اس حکیمِ مطلق خالقِ عقل و دانش کی طرف منسوب کرتے ہُوئے ذرا نہیں شرماتے۔ آپ خود ہی اپنے دل سے فیصلہ لیجئے۔ کہ ہمارا رب کیا ایسی حرکت کر سکتا ہے کہ تماشہ تو بنانا چاہے اپنے رسول کے دشمنوں کا لیکن بنا بیٹھے خود اپنے رسول کا۔ حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کا جو قصّہ علماء پیش کر رہے ہیں اس سے تو یہی صورت بنتی ہے۔ اپنے مسیحؑ کی تائید میں یہ کیسا معجزہ اس نے دکھایا۔ کہ اس کی خبر کسی انسان کو کانوں کان نہ ہوئی اور کیا دشمن اور کیا دوست سب آخر تک یہی سمجھتے رہے کہ نعوذ باللہ مسیح ناکام رہے اور یہودی جیت گئے اور جیسا کہ یہود کا دعویٰ تھا انہوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر مار کر نعوذ باللہ لعنتی ثابت کر دیا اور تو اور عیسائیوں تک کو خدا تعالیٰ نے یہ خبر نہ دی کہ جس لاش کو تم عیسیٰؑ کی لاش سمجھ کر ماتم کر رہے ہو وہ عیسیٰؑ کی نہیں بلکہ ایک یہودی کی لاش ہے۔ عیسیٰؑ تو مزے سے چوتھے آسمان پر بیٹھے ہیں۔

ناسمجھی کی غلطی جس سے شدید نقصان پہنچا

دراصل خُدا اور اس کے رسُول کی یہ ہتک جس کا مَیں نے اُوپر ذکر کیا ہے بالکل ناسمجھی میں کی گئی ہے۔ بلکہ اپنی طرف سے تو بنانے والے نے اسلام کے دفاع ہی میں یہ کہانی بنائی ہوگی۔ یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ جب کثرت سے عیسائی اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے آسمان پر جانے کا خیال مسلمانوں میں پھیلا دیا ہو۔ اور مذکورہ بالا مشکلات اور آیت زیرِ نظر میں رفع کے لفظ کو دیکھ کر اس وقت کے علماء نے یہ سمجھ لیا ہو کہ رفع عیسیٰؑ کا واقعہ اس طرح ہُوا ہوگا۔

پس ہرگز بعید از قیاس نہیں کہ مسیح علیہ السّلام کے زندہ آسمان پر جانے کا عقیدہ عیسائی نومسلموں کی طرف سے اسلام میں داخل ہُوا ہو۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ مسیح علیہ السّلام کی محبت میں مبتلا تھے اور

دوسری طرف انہیں ایسی احادیث پر اطلاع ہوئی جن میں اسلام میں آنے والے ایک عظیم الشان مصلح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیلاً ابنِ مریمؑ کا نام دیا ہؤا تھا۔ پس انہوں نے ان احادیث پر اپنی محبّت کا پیوند کر کے یہ خیال مسلمانوں میں داخل کر دیا کہ آنے والا مصلح جسے مسیح کا نام دیا گیا ہے۔ وہی پہلا مسیح ابن مریم ہی ہے جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہؤا تھا۔ اس خیال کو امّت میں رائج کرنے کے لئے لازماً واقعۂ صلیب کی بھی ایسی تشریح کی ضرورت تھی۔ جو اس خیال سے مطابقت کرے۔ چنانچہ وہ قصّہ جس کا ذکر پہلے گذرا ہے رفتہ رفتہ گھڑ لیا گیا اور مسلمانوں میں رائج کر دیا گیا۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ یہ خیال اسلام میں کیسے داخل ہؤا۔ جہاں تک قرآن و حدیث، تاریخ اور عقل کا تعلّق ہے یہ قصّہ محض بے بنیاد، لغو اور خدا تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہم السّلام کی گستاخی کے مترادف ہے۔

بہرحال موجودہ زمانے کے اکثر علماء جو بغیر سوچے سمجھے اس پر ایمان لے آئے ہیں وہ تو یقیناً خوش ہوتے ہوں گے کہ یہ قصّہ ایجاد کر کے کسی نے قرآن کریم کی خوب خدمت کی ہے کیونکہ اگر یہ قصّہ نہ بنایا جاتا تو قرآن کریم کا یہ دعویٰ کہ یہودی حضرت مسیحؑ کو صلیب پر نہیں مار سکے تاریخ کی رُو سے غلط ثابت ہو جاتا۔ پس اب تاریخ بیٹھی جو چاہے کہتی رہے۔ ہم تو یہی کہے جائیں گے وہ شخص مسیحؑ تھا ہی نہیں جسے بظاہر صلیب پر چڑھایا گیا۔ لیکن افسوس کہ اس قصّے نے بجائے فائدہ پہنچانے کے اسلام کو ایسا شدید نقصان پہنچایا ہے کہ دیکھ کر رونا آتا ہے۔ مذکورہ بالا نقصانات کے علاوہ جو سب سے بڑا اسلام کو نقصان پہنچا وہ یہ تھا کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کے اس باطل عقیدہ کے سہارے عیاذاً باللہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ثابت کرنی شروع کر دی اور بڑے زور سے دعویٰ کرنے لگے کہ عیسیٰؑ کا زندہ آسمان پہ جا بیٹھنا اور تمہارے رسولؐ کا فوت ہو کر زیر زمین دفن ہو جانا ہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ہمارے عیسیٰؑ تمہارے رسولؐ سے افضل تھے۔ نیز دو ہزار سال تک کھائے پئے بغیر ان کا آسمان

پر زندہ رہنا اس بات کا بھی بیّن ثبوت ہے کہ ان میں مافوق البشر خدائی صفات تھیں اور وہ عام انسانوں یا عام رسُولوں کی طرح نہیں تھے۔ غرضیکہ اس قِصّے کا سہارا لے کر وہ مسلمان علماء کے ناطقے بند کرنے لگے اور افسوس کہ آج کل ہر سال جو ہزاروں لاکھوں مسلمان عیسائی بنائے جاتے ہیں انکی بڑی ذمہ داری بھی اسی قصّے پر عائد ہوتی ہے۔ یہ دیکھ کر دل سے ایک آہ نکلتی ہے کہ کاش مولوی صاحبان قرآن کی یہ خدمت نہ ہی کرتے تو اچھا تھا! نادان دوست سے تو دانا دشمن بہتر ہے۔

احمدی کیا کہتے ہیں؟

اب مناسب ہوگا۔ کہ اس آیت کی وہ تشریح بھی پیش کر دی جائے جو احمدی کرتے ہیں تا کہ آیاتِ قرآنی اور احادیث کی علمی بحث میں داخل ہونے سے پہلے اس مضمون کے پڑھنے والوں پر دونوں طرف کی بات خوب واضح ہو جائے۔

پس منظر جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی بات کس سلسلہ میں کی جارہی ہے اس وقت تک اس کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اس آیت کا وہ پسِ منظر ملحوظ رکھا جائے جو خود قرآن کریم میں بیان ہُوا۔ (اس معاملہ میں احمدی اور غیر احمدی علماء دونوں متفق ہیں)

چونکہ حضرت مسیحؑ کی ولادت معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ اس لئے یہودی جو آپ کو جھوٹا سمجھتے تھے آپکے انکار کا یہ بہانہ بنانے لگے کہ آپ نعوذ باللہ ناجائز اولاد ہیں اور بائبل کی رُو سے ہر ناجائز بچہ لعنتی ہوتا ہے اس لئے آپ کے نبی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انکی دلیل بظاہر بڑی پختہ تھی کیونکہ لعنتی وہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ سے سب سے زیادہ دُور ہو اور نبی وہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک شخص میں بیک وقت اکٹھی ہو ہی نہیں سکتیں۔ چنانچہ یہود علماء نے اس چالاکی سے اکثر عوام کو حضرت مسیح علیہ السّلام کا منکر

بنا دیا۔ کہ یہ تو (نعوذ باللہ) لعنتی پیدائش کا نتیجہ ہیں نبی کیسے بن گئے۔ پھر انہوں نے اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ اور زیادہ شرارت کی راہ اختیار کرتے ہوئے یہ سوچا کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی صرف پیدائش ہی لعنتی ثابت نہ کی جائے موت بھی لعنتی ثابت کر دی جائے۔ ظاہر بات ہے کہ ایک شخص جس کی پیدائش بھی لعنتی ہو اور موت بھی لعنتی ہو وہ خدا تعالیٰ کا مقرّب بندہ تو کیا ایک عام شریف انسان کہلانے کا مستحق بھی نہیں رہتا۔ چنانچہ اس شیطانی خیال کے ساتھ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام کو صلیب پر چڑھانے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ بائیبل میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو مجرم صلیب پر مارا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے۔

آیت کا اصل مفہوم جس آیت پر بحث کی جا رہی ہے وہ یہود کے اس دعویٰ کی تردید میں نازل ہوئی کہ نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش اور موت دونوں لعنتی تھیں۔ اس لئے وہ خدا تعالیٰ کے مقرب نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے الزام کا تو یہ جواب دیا۔ کہ حضرت مریمؑ پر یہود نے بہتانِ عظیم باندھا ہے یعنی وہ پاکباز تھیں۔ اور مسیح ابنِ مریمؑ کی پیدائش لعنتی نہ تھی بلکہ معجزانہ اور مبارک تھی! دوسرے الزام کا جواب یہ دیا ہے کہ یہودی ہرگز حضرت مسیحؑ کو نہ تو صلیب پر مار سکے نہ قتل کر سکے۔ پس ان کی لعنتی موت کا الزام بھی درست نہیں۔ غرضیکہ وہ دونوں الزامات جو یہود حضرت مسیح کے خلاف ثابت کر کے انہیں خُدا سے دُور ثابت کرنا چاہتے تھے۔ قرآن کریم نے غلط قرار دیئے۔ اور واضح اعلان فرمایا کہ لعنت کا کیا سوال خدا تعالیٰ نے تو انہیں ہر الزام سے پاک ٹھہرا کر اپنا قرب عطا فرمایا۔ آیت رَفَعَهُ اللّٰهُ کا یہی مفہوم ہے اور قرآنی محاورہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ جس کا آگے چل کر تفصیلاً ذکر آئے گا۔

واقعہ صلیب کوئی یہ سوال اُٹھا سکتا ہے کہ اگر یہود نے حضرت مسیح علیہ السّلام کو واقعی سُولی پر لٹکا دیا تھا۔ اور وہ آسمان کی طرف نہیں اُٹھائے گئے تو قرآنِ کریم کا یہ دعویٰ

کیسے سچا ثابت ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نہ تو صلیب پر مارے گئے نہ ہی قتل کئے گئے۔

اس سوال کا جواب کچھ مشکل نہیں کیونکہ اگر ذرا بھی واقعہ صلیب پر غور کیا جائے تو بآسانی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا تو ضرور گیا تھا۔ مگر آپ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہی اتار لئے گئے اور زخموں سے شفا پانے کے بعد دوسرے انبیاء کی طرح آپ وہاں سے ہجرت فرما گئے۔ قرائن بتا رہے ہیں کہ آپ کی ہجرت وادیٔ کشمیر کی طرف تھی جہاں بنی اسرائیل کے بعض قبیلے کسی گذشتہ زمانے میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ لیکن یہ ایک الگ مضمون ہے جسکی تفصیلات جاننے کیلئے قارئین کو حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی مشہور کتاب "مسیح ہندوستان میں" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ فی الحال حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ اُترنے سے متعلق بائبل میں جو تصریحات ملتی ہیں۔ وہ مختصراً درج ذیل کرتا ہوں :۔

اوّل :۔ جس وقت آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا اس کے چند ہی گھنٹے بعد سبت کا دن شروع ہو جاتا تھا۔ جو یہود کا مقدس دن تھا اور اُس دن کسی کو صلیب پر نہیں رہنے دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کو ابھی صلیب پر لٹکے ہوئے بمشکل تین چار گھنٹے ہوئے ہوں گے کہ سبت کی وجہ سے آپ کو اتار لیا گیا[1]

دوم :۔ آپ کے پاؤں میں کیل نہیں گاڑے گئے حالانکہ دوسرے صلیب دیئے جانے والوں کے پاؤں میں کیل گاڑے جاتے تھے[2]

---

[1] :۔ بحوالہ (ا) متی باب ۲۷ آیت ۵۴ تا ۵۸ ۔ (ب) مرقس باب ۱۵ آیت ۴۳ تا ۴۶
(ج) لوقا باب ۲۳ آیت ۴۴ تا ۵۲ ؛

[2] :۔ THE CRUCIFIXION BY AN EYE-WITNESS P.60
PUBLISHED BY INDO-AMERICAN CO. CHICAGO, 1907

سوم:۔ آپ کے ساتھ دو[۲] مجرم بھی صلیب پر لٹکائے گئے تھے۔ اور گو انہیں بھی سبت کی وجہ سے ساتھ ہی اتارا گیا اور اتارتے ہی ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ لیکن حضرت مسیحؑ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔[۱]

چھارم:۔ جب ایک پہریدار نے آپ کی پسلی کو نیزے سے چھید کر دیکھا تو خون اور پانی نکلا۔ ظاہر ہے کہ مرے ہوئے انسان کا خون جم جاتا ہے۔ اگر حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہوتے تو زخم سے خون بہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔[۲]

پنجم:۔ حضرت مسیحؑ کو واقعہ صلیب کے تین دن بعد زخمی حالت میں اُن کے بعض حواریوں نے دیکھا اور سخت خوفزدہ ہو گئے۔ مگر حضرت مسیحؑ نے اُن کو تسلی دی اور اپنے زخم دکھا کر بتایا کہ مَیں وہی مسیح ہوں جسے صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔[۳]

بائیبل کی یہ گواہی نہایت ہی اہم اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس سے قرآن کریم کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ عیسائی ان واقعات کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ مر کر دوبارہ زندہ ہوئے تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک لغو خیال ہے۔ کیونکہ جب مَرنے کا ہی کوئی ثبوت نہیں تو دوبارہ زندہ ہونے کا کیا سوال۔ ایک مصلوب جسے تین دن کی بجائے صرف تین گھنٹے صلیب پر لٹکایا گیا ہو۔ اس کی ہڈیاں بھی نہ توڑی گئی ہوں اور چرکہ لگانے پر اس کے جسم سے خون بھی نکلا ہو جب چند دن کے بعد چلتے پھرتے دیکھا جائے اور جسم پر وہی زخموں کے نشان موجود ہوں تو عقل بے جھجک یہی فیصلہ دے گی کہ وہ شخص صلیب پر مرا ہی نہیں تھا۔ یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکل سکتا۔ کہ وہ مَر کر پھر زندہ ہُوا ہے۔

---

[۱]:۔ بحوالہ (ا) متی باب ۲۷ آیت ۳۸ (ب) مرقس باب ۱۵ آیت ۲۷ (ج) لُوقا باب ۲۳ آیت ۳۲،۳۳۔

[۲]:۔ بحوالہ ۔ یُوحنا باب ۱۹ آیت ۳۴۔

[۳]:۔ بحوالہ (ا) یُوحنا باب ۲۰ آیت ۱۹ تا ۲۵ (ب) لُوقا باب ۲۴ آیت ۳۶ تا ۳۹۔

چنانچہ جدید ترین طبّی محققین اب ان شواہد پر غور کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام صلیب پر فوت نہیں ہُوئے بلکہ زندہ ہی ایک نیم مُردہ حالت میں اتارے گئے ۔ اور بعد ازاں ان زخموں سے شفا پائی ۔ اس سلسلہ میں انگلستان کے مشہور اخبار سنڈے ٹائمز SUNDAY TIMES کے ۲۴ جنوری ۱۹۶۵ء کے پرچہ میں ایک مضمون اس عنوان سے شائع ہوا ہے :۔

I. THE RESURUCTION OF CHRIST

II. A REMARKABLE MEDICAL THEORY

یعنی (۱) حضرت عیسیٰؑ کا پھر زندہ ہونا ۔ (۲) ایک خیال انگیز طبّی نظریہ ۔

اس مضمون میں ڈاکٹر جے ۔ بی ۔ بورن DR. J. BOURNE کے ایک تحقیقی مقالے کا خلاصہ شائع کیا گیا ہے ۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے صلیب سے زندہ اُترنے کے امکانات پر طبّی لحاظ سے بحث کرتا ہے ۔ ڈاکٹر بورن دَم گھٹنے والی مُہلک امراض کے چوٹی کے ماہر سمجھے جاتے ہیں اور سینٹ تھامس ہسپتال ST. THOMAS HOSPITAL میں اس مرض کے ماہر کے طور پر کام کرتے ہیں ۔

ٹائمز میں آپ کے مضمون کا جو خلاصہ شائع ہُوا ہے ۔ اس میں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں :۔

عام طور پر حضرت مسیحؑ کے پھر زندہ ہونے والی باتوں پہ مباحثہ صرف تاریخی ثبوت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ پھر زندہ زمین پر آئیں گے ۔ اب یہ سوال کرنا کہ وہ واقعی فوت ہو گئے تھے ۔ گو یہ چرچ کی تعلیم کے خلاف جاتا ہے ۔ لیکن ایک وجہ ہے جس سے یہ خیال کرنا درست ہے کہ وہ صلیب CROSS پر بے ہوش ہو گئے تھے ۔ اور ہر کسی نے کہہ دیا تھا کہ وہ مر گئے ہیں ۔ لیکن آپ بے ہوشی کے چند گھنٹے بعد ٹھیک ہو گئے تھے (مَرے نہیں تھے بلکہ ہوش میں آ گئے تھے) ۔

۱۹۰۰ء میں ڈاکٹر سی سی پی کلارک DR. C. C. P. CLARK نے نیویارک میڈیکل رپورٹ NEWYORK MEDICAL REPORT میں بتایا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی ظاہری موت صرف بے ہوشی ہی تھی۔

۱۹۳۵ء میں پروفیسر ایس۔ویس PROFF. S. WEISS جو کہ امریکہ کے ماہر ڈاکٹر ہیں اور جن کو PAINSING (مدہوشی) کے علم کا کافی تجربہ ہے نے کہا کہ "مدہوشی" سے عام طور پر صلیب پر چڑھنے والوں کی موت آجایا کرتی ہے۔

جب خون کا دباؤ کم ہوتا ہے تو دماغ میں آکسیجن OXYGAN کی مقدار کم ہوجاتی ہے۔اور انسان بے ہوش ہوجاتا ہے۔اور اگر آدمی لٹکا ہؤا ہو تو گر جاتا ہے (یا کھڑا ہو تو بھی گر جاتا ہے)، اس وقت آدمی سانس بہت ہی کم لے رہا ہوتا ہے۔آنکھوں کی پتلیاں بڑی نظر آتی ہیں۔اور انسان کی شکل مُردہ کی بنی ہوتی ہے۔اس حالت میں اگر انسان سخت بے ہوش بھی ہوجائے تو یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مَر گیا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کا صلیب پر چڑھنے کا وقت اناجیل اور رینان کی تصنیف

LIFE OF JESUS BY RENAN [1]

کے مطابق تقریباً دوپہر کا تھا۔حضرت عیسیٰؑ کی ظاہری موت تقریباً تین بجے دوپہر کے قریب ہوگئی تھی۔ ان کو وہاں سے اتارا گیا۔اٹھایا گیا اور پھر ایک جگہ پر لٹا دیا گیا۔لیکن دوسرے دن صبح کو جو کہ اتوار کی صبح تھی اور سُولی کے صرف چالیس گھنٹے بعد وہ وہاں پر نہیں تھے۔ان کو اسی دن پانچ مرتبہ لوگوں سے بولتے اور چلتے پھرتے دیکھا گیا۔

---

[1] THE LIFE OF JESUS BY ERNEST RENAN LONDON, WATTS CO., 586 JOHNSON'S COURT, FLEET STREET, E. C. 4, P. 208

بے ہوشی کی حالت میں سید ھے کھڑے ہونے کی کیفیت اور پھر جلد ہوش میں آنے کے لئے چند گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اس شرط پر کہ کتنی دیر خون کا دباؤ کم رہا۔ اور دماغ میں کتنی حد تک آکسیجن گئی (یعنی سانس لینے کے لئے کتنی ہوا انسان لیتا رہا۔ حضرت عیسٰےؑ کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بے ہوشی کا وقت بہت ہی کم تھا۔ بیہوشی میں ان کا سر کندھوں سے باہر نکلا ہوا تھا۔ جس سے دل سے دماغ تک کا فاصلہ کم ہو گیا تھا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ خون کی حرکت برابر چلتی رہی۔ سینٹ جان (ST. JOHN) کہتا ہے کہ یہودی یہ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی کا جسم کراس (صلیب) پر اتنی دیر رکھا جائے کہ دوسرے دن سبت ہو جائے۔ (یہ یہودیوں کا طریق تھا کہ سبت والا دن آنے سے پہلے اس شخص کو جو صلیب پر ہوتا تھا۔ اتار لیتے تھے) اس لئے انہوں نے پیلاطیس (PILATE) کو کہا کہ آپ کو اتار لے۔ اس دوران میں سپاہی آئے اور انہوں نے پہلے شخص کی اور اسی طرح دوسرے شخص کی جو کہ صلیب پر تھے ٹانگیں توڑ دیں لیکن جب وہ حضرت عیسٰیؑ کی طرف آئے تو انہوں نے سمجھا کہ یہ تو پہلے ہی مرا ہوا ہے اس لئے انہوں نے اُن کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ صرف ایک سپاہی نے ایک نوکدار سلاخ کو آپ کے پہلو میں چبھویا جس سے فوراً آپ کے جسم سے خون اور پانی بہہ نکلے۔

یہ سب سپاہی دراصل پیلاطیس (PILATE) کے کہنے کے مطابق یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ اس طرح حضرت عیسٰیؑ زندہ رہے۔ رینان (RENAN) کہتا ہے کہ جب[لے] یوسف (JOSEPA) نے پیلاطیس (PILATE) سے پوچھا کہ حضرت عیسٰیؑ کا جسم مبارک کب ملے

لے THE LIFE OF JESUS BY ERNEST RENAN LONDON, WATTS • CO., 586 JOHNSON'S COURT, FLEET STREET, E. C. 4, P. 214

گا۔ تو اُس نے جواب دیا کہ ان کو اتار لیا گیا ہے۔ اور وہ ٹھیک ہیں۔ یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ سپاہیوں نے آپ کی ٹانگیں نہ توڑی تھیں ۔

بے ہوشی سے موت کے ہونے کے علاوہ موت کے ہونے کا بھی کئی دفعہ ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ اس طرح کی غلطیاں آجکل بھی عام طور پر ہو جاتی ہیں۔ مَیں خود دو ایسے اشخاص کو جانتا ہوں۔ جن کو ڈاکٹروں نے بالکل مُردہ قرار دے دیا تھا۔ لیکن بعد میں بڑے غور کے امتحان کے بعد دونوں پھر زندہ ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے ۱۳ دن کے بعد ہسپتال چھوڑا اور پیدل گھر چلا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی موت تو صرف سپاہیوں نے ہی بتائی تھی (کوئی ڈاکٹری رائے نہ تھی) سو بالکل ممکن ہے کہ سپاہیوں نے آپ کو دانستہ طور پر اس وجہ سے مُردہ قرار دے دیا ہو تاکہ آپ کو بچایا جا سکے ۔

بے انتہا لوگوں نے حضرت عیسےٰؑ کی صلیبی موت کو کافی حد تک شبہ میں رکھا۔ یا پھر یہ سمجھا کہ آپ مر کر پھر زندہ ہو گئے۔ چنانچہ تقریباً ۷۵ سال ہوئے کہ ۱۸۹۰ء میں ڈاکٹر کلارک (DR. CLARK) نے یہ صاف صاف کہہ دیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر بے ہوش ضرور ہوئے تھے۔ لیکن فوت نہیں ہوئے۔ ریناں (RENAN) کے مطابق آپ کے زندہ صلیب سے اُترنے کا اکثر لوگوں کو پتہ تھا۔

پس حضرت مسیحؑ کے صلیب پر سے زندہ اُتر آنے کے امکانات پر نظر رکھتے ہوئے جب ہم اس گواہی پر غور کرتے ہیں۔ تو بے اختیار قرآنِ کریم کی عظمت اور صداقت کے حضور فکر و نظر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اس آیت کی سچائی دل میں میخ کی طرح گڑ جاتی ہے کہ

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (سورۃ النساء آیت: ۱۵۸)

کہ نہ تو وہ (یہودی) اس (مسیحؑ) کو قتل کر سکے اور نہ ہی صلیب پر مار سکے۔ بلکہ معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔

ششم :۔ اس امر کی دلیل کہ معاملہ یہود پر مشتبہ ہوگیا اور وہ خود حضرت مسیحؑ کی موت کے بارہ میں شبہ میں پڑ گئے تھے۔ یہ ہے کہ دوسرے ہی روز صبح ان میں سے بعض رومی افسر پیلاطوس کے پاس گئے کہ ہمیں ڈر ہے کہ وہ (یعنی مسیحؑ) ہمیں اب بھی دھوکہ دے جائیگا اس لئے اس کے اِرد گرد پہرہ زیادہ سخت کر دیا جائے[1]۔ لیکن ان کا یہ واویلا بیکار تھا کیونکہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ تاریخ اور بائبل سے ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ کا جسم نہ پاکر یہودی سخت فکرمند ہوئے اور دُور و نزدیک ان کی تلاش شروع کر دی لیکن سب بے سُود۔ اور جیساکہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے آخر دم تک وہ مسیحؑ کی زندگی اور موت کے سوال پر شُبہ کی حالت میں رہے۔

ہفتم :۔ آخر پر جب حضرت مسیح علیہ السّلام کی ایک پیشگوئی پر نظر ڈالتے ہیں تو واقعہ صلیب کی اصل صورت اور بھی زیادہ نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اور قرآنِ کریم کے اس دعویٰ کی مزید تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر نہیں مَرے۔

ایک موقعہ پر جب یہود نے حضرت مسیحؑ سے نشان طلب کیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ تمہیں یونس نبیؑ کے نشان کے سوا اور کوئی نشان نہیں دیا جائے گا[2]۔ کون نہیں جانتا۔ کہ حضرت یونسؑ کا نشان کیا تھا؟ آپ تین دن مچھلی کے پیٹ میں ایسے مخالف حالات میں زندہ رہے کہ بظاہر زندگی کا کوئی امکان نہ تھا۔ پھر زندگی کی حالت ہی میں پیٹ سے باہر آئے اور آخر وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے۔

حضرت مسیحؑ کے اس دعویٰ کے بعد کہ مَیں یونس نبیؑ والا نشان دکھاؤں گا۔ آپؑ کے زندہ

---

[1] :۔ بحوالہ (ا) متی باب ۲۷۔ آیت ۶۲ تا آخر۔ (ب) متی باب ۲۸۔ آیت ۱۱ تا ۱۵۔

[2] :۔ بحوالہ (ا) متی باب ۱۲۔ آیت ۳۸ تا ۴۰۔ (ب) لوقا باب ۱۱۔ آیت ۲۹ تا ۳۲۔

رہنے کے بارہ میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ پہلے سے مقدر تھا کہ آپ بھی تین دن تک زندگی اور موت کی خطرناک کشمکش میں مبتلا ایک ایسی بند جگہ میں رہیں جو مچھلی کے پیٹ کے مشابہ ہو۔ لیکن باوجود سخت مخالف حالات کے موت سے بچائے جائیں اور زندہ ہی اس جگہ سے باہر نکل آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ اور صلیب کی جان لیوا سختیوں سے معجزانہ طریق پر بچ کر آپ تین دن تک زخمی حالت میں زمین کے پیٹ میں ایک چھوٹے سے حجرے میں رکھے گئے جسے عیسائی بطور قبر استعمال کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے دو حواری بھی تھے جو آپ کے زخموں کا علاج کرتے رہے (کچھ بعید نہیں کہ مرہم عیسےٰ جو دُنیا کے طول و عرض میں مشہور ہے وہی مرہم ہو جس سے حضرت عیسیٰؑ کا علاج کیا گیا) تین دن کے بعد جس طرح مچھلی نے زندہ حالت میں حضرت یونسؑ کو اُگل دیا تھا۔ آپ بھی زندہ ہی زمین کے پیٹ سے باہر آئے۔ اور جیسا کہ بائیبل کی گواہی پہلے گذر چکی ہے۔ آپ کو زندہ دیکھنے کے عینی گواہ موجود ہیں۔

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی صداقت کا یہ بھی ایک عظیم الشّان نشان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر آپ نے واقعۂ صلیب کی جو تشریح آج سے تقریبًا اسی برس پہلے فرمائی۔ اس کی تائید میں اب ناقابلِ تردید شواہد دریافت ہو رہے ہیں۔ حتّٰی کہ خود عیسائی محققین بھی ان شواہد کی روشنی میں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی پیش کردہ تشریح کو ماننے پر مجبُور ہو رہے ہیں۔ آثار قدیمہ میں سے ایسی پرانی دستاویزات دستیاب ہو چکی ہیں۔ جن سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السّلام صلیب سے زندہ ہی اتارے گئے تھے اور بعد ازاں ہجرت کر کے بنی اسرائیل کے "گمشدہ" قبائل کی طرف ہجرت فرما گئے۔

رفع سے کیا مُراد ہے؟

آیئے اب ہم لفظ رفع کی طرف واپس آتے ہیں کہ یہ لفظ بہت ہی قابلِ توجہ ہے اور ہمارے مخالف علماء کو اس نے سخت شش و پنج میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اوّل تو سب پڑھنے والوں کی توجہ اس طرف مبذول کروانی چاہتا ہوں کہ نہ تو اس آیت میں اور نہ ہی کسی اور آیت میں یہ ذکر آتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو خدا تعالیٰ نے آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ پس خواہ مخواہ آسمان کا قصّہ بیچ میں لے آنا ایک افسوسناک زیادتی ہے۔ قرآن کریم تو بس اتنی خبر دیتا ہے کہ

"اللہ تعالےٰ نے اس کا اپنی طرف رفع کیا۔"

اَب فرمائیں علماء کرام کہ خدا تعالیٰ کی طرف کونسی ہے؟ اسلام کا خُدا تو "نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (سورۃ النور آیت ۳۶) ہے۔ اور کوئی جگہ بھی اس کے وجود باجود سے خالی نہیں۔ وہ زمین میں بھی ہے اور آسمانوں میں بھی۔ وہاں بھی ہے جہاں انسانی تصور پہنچتا ہے اور وہاں بھی جہاں تک انسانی تصور کی رسائی نہیں۔ پھر کیا وہ جگہ جہاں حضرت مسیح علیہ السّلام صلیب دیئے گئے خدا کے وجود سے خالی تھی جو انہیں وہاں سے منتقل کر کے ایسی جگہ لے جایا گیا جہاں خدا موجود تھا؟ نہیں نہیں ایسا مت کہو کہ اس ترجمے سے تو خدا تعالیٰ کی شان میں سخت گستاخی لازم آتی ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ بعض جگہ تو وہ موجود ہے اور بعض جگہ موجود نہیں۔ پس کیوں حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اُٹھانے کے ایسے درپے ہُوئے ہو کہ ربّ العزّت کی ارفع شان کو گراتے ہوئے خوف نہیں کھاتے۔

افسوس علماء نے یہ نہیں سوچا کہ ہر لفظ کا ترجمہ اس کے موقع اور محل کے مطابق ہُوا کرتا ہے۔ اور ہر زبان میں یہی دستور ہے۔ وہ صرف اسی مثال پر غور کرتے تو بات ان کی سمجھ میں آجاتی کہ وہ روزمرّہ گھروں میں عورتوں سے یہ کہتے ہیں کہ اپنے بچے کو اُٹھا لو اور اس پر کبھی کوئی فساد کھڑا نہیں ہوتا لیکن

لیکن ذرا ایک روز یہ تو کہکر دیکھیں کہ خدا تمہارے بچے کو اُٹھا لے پھر دیکھیں کہ کیا قیامت برپا ہوتی ہے۔ دیکھئے لفظ وہی ہے لیکن معنے کتنے بدل گئے!! ایک جگہ جسم سمیت اٹھانا مراد ہے تو دوسری جگہ ہمیشہ کی نیند سُلا دینا۔ اسی طرح پنجابی میں بھی بددعا کے طور پر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ "تینوں اللہ چکّے"۔ یعنی تمہیں خدا اُٹھائے اور مراد آسمان پر اُٹھانا نہیں بلکہ زیرِ زمین دفنانا ہوتی ہے۔ دیکھئے لفظ ایک ہی ہے لیکن معنے کس قدر ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ عربی محاورے میں بھی کہیں الفاظ مختلف مواقع کے مطابق اپنے معنی بدلتے تو نہیں رہتے؟ اور جب خدا تعالیٰ کے متعلق کہا جائے کہ اس نے فلاں کا رفع کیا تو اُس سے مُراد کیا ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی اور قرآنی محاورے کے مطابق خُدا تعالیٰ کا اپنے کسی بندہ کا رفع کرنا ہمیشہ درجات کی بلندی اور قربِ الٰہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آپ قرآن کریم اور کتبِ احادیث کھول کر دیکھ لیجئے۔ دوسری کئی جگہوں پر بھی تو یہی لفظ استعمال ہُوا ہے لیکن کسی ایک جگہ بھی اس کا ترجمہ خود ہمارے مخالف علماء کی طرف سے بھی جسم سمیت آسمان پر اُٹھانا نہیں کیا گیا۔ چنانچہ دیکھیئے حضرت مسیحؑ کے متعلق تو صرف یہ الفاظ آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اُٹھالیا۔ لیکن حضرت ادریسؑ کے متعلق تو قرآن کریم میں یہاں تک الفاظ آئے ہیں کہ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (سورۂ مریم آیت: ۵۸) یعنی ہم نے اسے (ادریس علیہ السّلام کو) ایک اُونچے مکان کی طرف اُٹھالیا۔ ظاہر ہے کہ اگر اُٹھانے کا مطلب جسم سمیت اُٹھانا کیا جائے تو حضرت ادریسؑ جن کے متعلق اُونچے مکان کا بھی ذکر آتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اس بات کے کہیں زیادہ حقدار بنتے ہیں۔ کہ انہیں آسمان پر تصوّر کیا جائے۔ لیکن سب علماء اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ادریسؑ جسم سمیت آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے بلکہ یہاں اُٹھائے جانے سے مُراد صرف رُوحانی رفع ہے۔

یہی نہیں قرآنِ کریم میں اور جگہ بھی انسانوں کے متعلق رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن ہر جگہ درجات کی بلندی کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے جسم کی بلندی کے معنوں میں نہیں۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیت ہی کو دیکھئے جو بلعم باعور کے متعلق آتی ہے:۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ۔

(سورۃ الاعراف آیت: ۱۷۷)

یعنی اگر ہم چاہتے تو اپنے نشانات کے ذریعے اسے رفع عطا کرتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔ اب دیکھئے سب علماء اس کے معنی یہی کرتے ہیں کہ یہاں رفع سے مُراد روحانی رفع ہے اور زمین کی طرف جُھکنے سے مُراد خدا تعالیٰ سے دُوری ہے۔ پس قرآنی محاورے سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع الی اللہ سے مُراد ہرگز جسم سمیت ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ لے جانا نہیں ہُوا کرتا۔ بلکہ درجات کی بلندی مراد ہوتی ہے۔ قرآن سے اُتر کر حدیث کو دیکھیں تو وہ بھی انہی معنوں کی تائید کرتی ہے۔ حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک موقعہ پر فرمایا:۔

اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ۔ [1]

کہ جب بندہ اپنے رب کی خاطر انکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُٹھا کر ساتویں آسمان پر لے جاتا ہے۔ کیا کوئی مولوی صاحب جو کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہاں رفع کے معنے یہ کر سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے ہر منکسرُالمزاج بندے کو جسم سمیت اُٹھا کر ساتویں آسمان پر لے جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر وہ اس حدیث کا یہ ترجمہ کریں تو ایک حضرت عیسیٰ پر ہی کیا موقوف پھر تو تمام انبیاء علیہم السّلام۔ اولیاءِ کرام اور دیگر بے شمار صالح متواضع بندوں کو جسم

---

[1]:۔ بحوالہ کنز العمّال فی سُنن الافعال والاقوال جُز ثانی ص۲۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ حیدر آباد۔

سمیت زندہ ساتویں آسمان پر بیٹھے ہوئے ماننا پڑیگا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ ایک لغو خیال ہے اور باوجود اس کے کہ واضح طور پر آسمان پر اُٹھانے کا ذکر آتا ہے ہم اسکا ترجمہ صرف یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے درجات ساتویں آسمان تک بلند کرتا ہے جسم بلند نہیں کرتا۔

اسی پر بس نہیں! اب آپ اس اَمر پر بھی غور کیجئے کہ کیا وہ مسلمان جو نماز کے عادی ہیں روزانہ پانچ وقت اپنی ہر رکعت نماز کے دو سجدوں کے درمیان اللہ تعالیٰ سے یہ مسنون دُعا (بَین السجدتین) نہیں کرتے کہ "وَارْفَعْنِیْ"[1] یعنی اے میرے رب! میرا رفع کر۔ اب فرمائیں علماءکرام کہ اس کا مطلب جسم سمیت اٹھانا ہی ہے یا درجات کی بلندی مراد ہے، ظاہر ہے کہ مراد درجات ہی کی بلندی ہے ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ جسم سمیت اُٹھانے کی یہ دُعا جو رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے تمام صحابہؓ بھی زندگی بھر ہر نماز میں کرتے رہے۔ اور آج تک سب مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ کسی ایک کے حق میں بھی قبول نہ ہُوئی۔ مقامِ خوف ہے اور ایک سچے مسلمان کیلئے ایسا خیال بھی دل میں لانا قابلِ شرم ہونا چاہیئے۔ پس ان تمام دلائل سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ رفع سے مراد اسلامی محاورہ کے مطابق جسمانی رفع نہیں بلکہ رُوحانی رفع ہے جو خدا تعالیٰ کے ہر نیک متواضع بندے کے لئے مقدّر ہے۔

دُوسری آیت

اب دوسری آیت کو لیجئے جس میں رفع کا ذکر آتا ہے۔ اس کا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ یہ فرماتے ہیں:۔

"اے عیسیٰؑ تحقیق مَیں لینے والا ہوں تجھ کو اور اُٹھانے والا ہوں تجھ کو طرف اپنی اور

---

[1]:۔ ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیھا باب مایقول بین السجدتین۔

پاک کرنے والا ہوں تجھ کو لوگوں سے کہ کافر ہوئے اور کرنے والا ہوں ان لوگوں کو کہ پیروی کریں گے تیری اُوپر ان لوگوں کے کافر ہوئے قیامت کے دن تک۔

دوسرا ترجمہ جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کیا ہے۔ یہ ہے :۔

"اے عیسیٰ (کچھ غم نہ کرو) بے شک میں تم کو وفات دینے والا ہوں۔ اور (فی الحال)[1] مَیں تم کو اپنی طرف اُٹھائے لیتا ہوں اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنیوالا ہوں جو منکر ہیں۔ اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں مَیں اُن کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں روزِ قیامت تک"۔

مندرجہ بالا دونوں ترجمے کئی لحاظ سے تفصیلی بحث کے محتاج ہیں لیکن ایک بات جو فی الحال ظاہر کرنی مقصود ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰؑ کو آسمان پر اُٹھانے کا کہیں ذکر نہیں فرمایا۔ اور جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ اپنی طرف اُٹھائے جانے کا مطلب قرآن اور حدیث کے محاورہ کے مطابق آسمان پر لے جانا نہیں بلکہ درجات کی بلندی ہے۔ پس یہ دونوں آیتیں جو حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان کی طرف لے جانے کے حق میں پیش کی جاتی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ آسمان کے ذکر سے ہی بالکل خالی پڑی ہیں۔ بلکہ جو لفظ "رفع" ان میں استعمال ہؤا ہے وہ اس سیاق و سباق میں آسمان تو آسمان کسی سمت میں بھی جسم سمیت اُٹھانے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف درجات کی بلندی کے ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔

مزید براں اس آیت کے الفاظ کی ترتیب پر غور کر کے دیکھیں تو معاملہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے "بیشک مَیں تم کو وفات دینے والا ہوں"۔ کے الفاظ "تم کو اپنی طرف اٹھانے والا

---

[1] :۔ جیسا کہ بریکٹ سے بھی ظاہر ہے "(فی الحال)" کے الفاظ جناب مولوی صاحب نے اپنی طرف سے داخل فرما دیئے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ الفاظ نہیں آتے۔

ہوں"۔ سے پہلے رکھے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وفات پہلے ہوگی اور رفع بعد میں۔ اگر رفع سے مراد جسمانی رفع ہو تو اس کا یہی مطلب بنے گا۔ کہ مرنے کے بعد بے جان جسم آسمان کی طرف اُٹھایا گیا جو ظاہر بات ہے کہ غلط ہے۔ پس سوائے اس کے چارہ نہیں رہتا کہ ہم رفع سے مُراد رُوحانی رفع لیں۔ اور اس آیت کا یہی مفہوم سمجھیں کہ جس طرح وفات کے بعد دوسرے انبیاءؑ کا اپنے اپنے آسمانی مقام کی طرف روحانی رفع ہُوا۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السَّلام کا بھی وفات کے بعد روحانی رفع ہُوا۔ اور اسی رفع کا وہ وعدہ دیئے جا رہے ہیں۔ پس غور کرنے سے یہ عجیب بات ثابت ہوئی کہ آسمان پر اُٹھانا تو کُجا یہ آیت تو اس کے بالکل برعکس حضرت عیسےٰؑ کی وفات کا کھُلا کھُلا اعلان کر رہی ہے اور اس کا ترجمہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں بنتا کہ

"اے عیسیٰؑ مَیں تجھے وفات دُوں گا اور تیرے درجات بلند کروں گا اور کافروں کی (تہمتوں) سے تجھے پاک کر دوں گا اور تیرے ماننے والوں کو قیامت کے دن تک تیرا انکار کرنے والوں پر غالب رکھوں گا۔"

ایک مرتبہ نہیں بار بار آپ اس آیت پر غور فرما کر دیکھ لیجیئے۔ ہر مرتبہ یہ حقیقت زیادہ روشن ہوتی چلی جائے گی کہ وفات پہلے ہوئی تھی اور رفع بعد میں۔ پس اب رفع کا مطلب جو چاہے کر لیجئے وفات سے قبل آپ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر نہیں لے جا سکتے۔

قرآن کریم اور وفاتِ مسیحؑ

گذشتہ چند صفحات میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ قرآن کریم میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اور یہ محض ایک دعویٰ بے دلیل ہے۔ لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی

بلکہ کلام اللہ تو صاف صاف لفظوں میں حضرت مسیح ناصری علیہ السّلام کی وفات کی خبر دے رہا ہے۔ اور ان کے زندہ آسمان پر چلے جانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہنے دیتا۔ ایک یا دو نہیں بلکہ ایسی بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن سے قطعی طور پر وفاتِ مسیح ابن مریمؑ ثابت ہوتی ہے میں فی الحال ان میں سے صرف دو تین آیات پیش کرتا ہوں اور جو تشریح ان آیات کی کروں گا اس کی تائید میں صحیح احادیث بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ تاکہ کسی کے لئے کوئی شک کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اگر ہم قرآن کریم کی کسی آیت کی تشریح میں اختلاف کریں تو ہمارے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔ پس اُمید ہے کہ اس فیصلہ کے بعد سب شکوک رفع ہو جائیں گے۔

پہلی آیت حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی وفات کی خبر دینے والی آیات میں سے ایک واضح آیت یہ ہے:۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ (سورۃ مائدہ آیت: ۷۶)

ترجمہ: مسیح ابنِ مریم سوائے ایک رسُول کے اور کچھ نہ تھے اور اُن سے قبل تمام رسُول گذر چکے۔ ان کی والدہ راستباز تھیں وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

اب دیکھئے اس آیت سے کتنے واضح طور پر حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی وفات ثابت ہوتی ہے پہلے فرمایا کہ مسیح ابنِ مریمؑ ایک رسُول کے سوا کچھ نہ تھے پھر ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ ان سے قبل تمام رسُول گذر چکے ہیں۔ گویا حضرت عیسٰیؑ کی وفات پر ایک ناقابلِ ردّ دلیل پیش کر دی۔ یہ ویسی ہی طرزِ کلام ہے جیسے کوئی کہے کہ زید ایک انسان کے سوا کچھ نہیں اور سب انسان مٹی کے بنے ہوتے ہیں۔ پس جس طرح اس فقرے سے ثابت ہوتا ہے کہ لازماً زید بھی مٹی کا بنا ہُوا ہے اسی طرح مذکورہ بالا آیت سے حضرت مسیحؑ کی وفات ثابت ہو جاتی ہے۔ بصورتِ دیگر مسیحؑ کو رسُولوں کے

مقدس گروہ سے کوئی الگ چیز ماننا پڑے گا۔ جو ظاہراً غلط ہے۔

قرآن کریم اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ اس کی (یعنی مسیح کی) والدہ راست باز تھیں اور وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ اب تک زندہ موجود ہوتے تو کیا ان کے متعلق کھانا کھایا کرتے تھے کے الفاظ آنے چاہئیے تھے؟ یقیناً نہیں بلکہ ایسی صورت میں تو چاہیئے تھا کہ حضرت مسیحؑ کا ذکر حضرت مریمؑ سے الگ کر کے یہ فرمایا جاتا کہ (حضرت) مریم کھانا کھایا کرتی تھیں۔ مسیح اب تک کھاتے ہیں اور وفات کے دن تک کھاتے رہیں گے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ پس حضرت مسیحؑ کو بھی حضرت مریمؑ کے ساتھ ملا کر ایک گذرے ہوئے زمانے کے انسان کے طور پر آپ کا ذکر فرمانے سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت مسیحؑ ایک رسُول سے بڑھ کر رُتبہ نہیں رکھتے تھے اور جس طرح دوسرے رسُول فوت ہُوئے آپ بھی فوت ہوئے اور جس طرح باقی کھانا کھانے کے حاجتمند تھے آپ بھی کھانا کھانے کے حاجتمند تھے اور کھانے کے بغیر ہی زندہ رہنے کی کوئی خدائی صفت ان میں موجود نہ تھی۔ اس آیت کے ہوتے ہُوئے بھی کوئی اگر حضرت مسیحؑ کو زندہ مانتے تو یہ محض اس کی زبردستی ہوگی۔

بعض عجیب تاویلیں

بعض لوگ اس آیت کی زد سے حضرت عیسیٰؑ کو بچانے کیلئے عجیب عجیب تاویلیں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تو فرمایا ہے کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے تمام رسُول گذر گئے۔ یہ نہیں فرمایا کہ خود حضرت مسیحؑ بھی گذر گئے۔ افسوس کہ وہ ذرا بھی اس طرزِ کلام پر غور نہیں کرتے۔ ادنیٰ سی زبان دانی سے بھی یہ بات سمجھ آجانی چاہیئے کہ حضرت مسیحؑ کو زمرۂ رسل میں شامل کر کے جب سب رسولوں کے گذرنے کی خبر دی جا رہی ہے تو اس کے بعد حضرت مسیحؑ کا زندہ رہ جانا ایک امرِ محال ہے لیکن اگر کوئی صاحب اب بھی یہ اصرار فرمائیں کہ اس آیت سے صرف حضرت مسیحؑ سے پہلے انبیاءؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ حضرت مسیحؑ کی نہیں۔ تو ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ لِلّٰہ انصافاً غور کر کے فرمائیں کہ

اس صورت میں ذیل کی آیت سے کیا ثابت ہوگا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ (آل عمران آیت ۱۴۵)

ترجمہ :۔ نہیں محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر ایک رسول اُن سے قبل تمام رسول فوت ہو چکے پس اگر یہ بھی فوت ہو جائیں یا قتل کئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔

اب فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے اس آیت کی زد سے بچ سکتے ہیں؟ کیونکہ اگر وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے اور آپ جانتے ہیں کہ پہلے ہی تھے تو لازماً ان کی وفات تسلیم کرنی پڑے گی۔ کیونکہ واضح طور پر یہ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام رسول فوت ہو چکے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض علماء اب بھی ضد سے کام لیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے قرآن کریم کے اس واضح ارشاد کے سامنے سر جھکا دیں۔ اور اپنی غلطی کو جرأت اور دیانتداری کے ساتھ تسلیم کر لیں وہ اس آیت کی بھی عجیب و غریب تاویل شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہہ دیتے ہیں کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں جو لفظ "خَلَتْ" استعمال ہوا ہے اس کا مطلب صرف مر جانا ہی نہیں بلکہ ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا بھی ہے۔ اس لئے ہم اس کا یہ مطلب نکالیں گے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے رسول تھے وہ سب یا تو مر گئے یا اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں چلے گئے لیکن ہم ناظرین پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ محض ایک زبردستی ہے ورنہ عربی میں جب بھی کسی انسان کے متعلق مطلق طور پر یہ لفظ "خَلَا" استعمال ہو تو اس کا مطلب موت ہی ہوا کرتا ہے جگہ چھوڑنا نہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ عربی کی طرح انگریزی اور اُردو محاورہ میں بھی گذر گیا کے الفاظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی رستے پر سے گذر جانا اور مر جانا۔ لیکن جب ہم یہ کہیں گے کہ گذشتہ تمام انبیاء گذر گئے تو یہ معنے کرنے محض مذاق ہوں

گے کہ بعض انبیاءؑ تو فوت ہو گئے اور بعض رستوں پر سے گذر گئے۔ یا ایک جگہ سے چل کر کسی دوسری جگہ جا پہنچے۔ یہ محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ عربی لغت واضح طور پر گواہی دے رہی ہے کہ جب مطلقاً کسی کے متعلق "خَلَا" کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اس شخص کی موت ہوتی ہے۔ دیکھئے (۱) تاج العروس میں لکھا ہے "خَلَا فُلَانٌ۔ "اِذَا مَاتَ"۔ یعنی جب کہا جائے کہ فلاں شخص گذر گیا۔ تو مراد یہ ہوتی ہے کہ مر گیا۔ لغت ہی نہیں بلکہ تفاسیر بھی اس آیت میں "خَلَا" سے مراد زندگی کا ختم ہونا ہی بیان کرتی ہیں۔ جیسا کہ تفسیر قنوی علی البیضاوی جلد ۳ و تفسیر خازن جلد ۱ میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وَيَخْلُوْ كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح دارِ فانی سے کوچ کر جائیں گے جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السّلام طبعی موت یا قتل کے ذریعہ گذر گئے۔ پس ثابت ہُوا کہ موت کے علاوہ اس لفظ کے کچھ اور معنے کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور اس آیت کے ہوتے ہُوئے یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام اس آیت کے نزول کے وقت تک زندہ موجود تھے۔ کیا کسی کی عقل میں یہ بات آ سکتی ہے کہ وہی لفظ جو صاف صاف ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی موت کی خبر دے رہا ہو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی دفعہ یکدم اپنے معنے ایسے تبدیل کرے کہ مارنے کی بجائے آسمان پر لے جا بٹھائے۔ اگر اسی طرح الفاظ گرگٹ کی طرح اپنے رنگ بدلنے لگیں تو پھر تو ہر بات کا ہر مطلب نکالا جا سکتا ہے۔ موت سے مراد زندگی اور زندگی سے موت مراد لی جا سکتی ہے۔ عالم کو جاہل اور جاہل کو عالم بنایا جا سکتا ہے۔ رات کو دن اور دن کو رات کہا جا سکتا ہے۔ غرضیکہ جہان معانی میں وہ طوفانِ بے تمیزی برپا ہو اور ایسا اندھیرا آئے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے!

لہ :۔ مزید دیکھیں الشہاب علی البیضاوی جلد ۳ ص ۶۶ تفسیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اِلَى الْآخر۔

صحابہؓ کی گواہی

اگر ابھی بھی کسی صاحب کی پوری طرح تسلی نہ ہوئی ہو تو ان کی تسلی کی خاطر صحابہ رضوان اللہ علیہم کی بھی ایک ناقابلِ رد گواہی پیش کی جاتی ہے جس کے بعد اس امر میں ایک ذرہ بھر بھی شک نہیں رہتا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے نزدیک بھی آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا مطلب یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے رسول تھے سب فوت ہو چکے اور کوئی بھی زندہ آسمان پر موجود نہیں۔ کتبِ تاریخ اور معتبر احادیث میں یہ واقعہ درج ہے جسے امام بخاریؒ نے بھی نقل فرمایا[۱] ہے کہ جب حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہؓ غم کے مارے دیوانوں کی طرح ہو گئے یہاں تک کہ بعض کو یقین نہ آتا تھا۔ کہ ان کا محبوب آقا ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا ہے۔ اس شدید غم کی کیفیت سے متأثر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اور تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ آپ ہرگز فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لئے اپنی قوم سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ سے مناجات کرنے گئے تھے۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عارضی طور پر ہم سے جدا ہوئے ہیں اور واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس صورتِ حال میں بعض صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف آدمی دوڑائے۔ آپ جب تشریف لائے تو سیدنا و مولانا حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کے پاس حاضر ہوئے جو سفید کپڑے میں لپٹی پڑی تھی۔ اس مبارک چہرے سے کپڑا اٹھایا اور یہ دیکھ کر کہ واقعی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جھک کر آپؓ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ خدا تعالےٰ

---

[۱]:۔ بخاری کتاب النبیؐ الی کسریٰ و قیصر باب مرض النبیؐ و وفاتہ و قول اللہ تعالیٰ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ

آپ پر دو موتیں اکٹھی نہیں کرے گا۔ یعنی یہ کہ آپ مر کر پھر زندہ اور زندہ ہو کر پھر نہیں مریں گے یا معنوی لحاظ سے یہ مراد ہوگی کہ آپ کا جسم تو مر گیا لیکن آپ کا دین ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بہرحال یہ کہہ کر آپ روتے ہوئے باہر صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر بعض آیات کی تلاوت کی جن میں سے پہلی یہ تھی کہ :۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط (آل عمران : آیت ۱۴۵)

یعنی نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر خدا کے رسول۔ ان سے پہلے جتنے رسول تھے سب گذر گئے پھر اگر آپ بھی وفات پا جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ روایت آتی ہے کہ اس آیت کو سنتے ہی صحابہؓ کو یقین ہو گیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا تو یہ حال ہوا کہ صدمہ کی شدت سے نیم جان ہو گئے۔ گھٹنوں میں سکت باقی نہ رہی اور لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ آیت پہلی مرتبہ نازل ہوئی ہو یعنی اس کا یہ مفہوم پہلی مرتبہ ہم پر روشن ہوا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کی طرح وفات پا جائیں گے۔

پھر کیا ہمیں علماء سے یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ اگر اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام نبی فوت ہو گئے۔ اسی طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا جائیں گے تو کیوں حضرت عمرؓ اور اُن کے ہم خیال صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے تلواریں سونتتے ہوئے یہ سوال نہ کیا کہ جس آیت کی رُو سے تم سیّدِ وُلدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دیتے ہو وہ تو ایک ادنیٰ شان کے نبی یعنی مسیح ناصریؑ کو بھی مارنے کی طاقت نہیں رکھتی اگر وہ اس آیت کے باوجود زندہ آسمان پر چڑھ سکتے ہیں تو کیوں ہمارا آقاؐ ایسا نہیں کر سکتا جو فخرِ دو عالم تھا اور سب نبیوں کی سرداری اُسے عطا ہوئی تھی یہ کیسے ممکن ہے کہ

وہ مقصودِ عالم کہ جس کی خاطر کائنات کو پیدا کیا گیا۔ اُسے تو یہ آیت مار کر زیرِ زمین سُلا دے اور ایک ادنیٰ شان کے نبی کو جو اس کی غلامی پر فخر کرنے کے لائق تھا جسم سمیت زندہ اُٹھا کر چوتھے آسمان پرے جا بٹھائے؟ لیکن ایسا نہیں ہوا اور کسی ایک صحابیؓ کی زبان پر بھی یہ اعتراض نہ آیا۔ ان میں ابوبکرؓ بھی تھے اور عمرؓ بھی اور عثمانؓ بھی اور علیؓ بھی اور پھر عائشہؓ بھی انہی میں تھیں اور فاطمۃ الزہراءؓ بھی۔ یہ سب عُشّاقِ رسُول اس وقت موجود تھے۔ لیکن کسی ایک نے بھی تو اعتراض کے لب نہیں کھولے اور سب نے اپنے مولا کی رضا اور اس کی قضاء کے حضور روتے روتے سر جھکا دیئے!! قرآن کا ہر فیصلہ ان کے لئے ناطق اور آخری تھا!

اللہ اللہ صحابہؓ کے تقویٰ اور رُوحِ اطاعت کی کیا شان تھی!!! ایک طرف تو فورِ عشق کا یہ عالم کہ اپنے محبوب رسُولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا تصوّر بھی برداشت نہ تھا۔ اور ہاتھ اُٹھ اُٹھ کر تلواروں کے قبضوں پر پڑتے تھے۔ کہ جو کوئی اس رسُول کی وفات کی خبر زبان پر لائے گا۔ اس کا سرتن سے جُدا کر دیا جائے گا۔ پھر کہاں اطاعتِ خداوندی کا یہ بے مثال منظر کہ قرآن کے ایک چھوٹے سے کلمے کی خاطر بے چون و چرا اُسی رسُول کی جُدائی برداشت کر گئے کہ جسے زندہ رکھنے کی خاطر ان میں سے ہر ایک کو ہزار جانیں بھی دینی پڑتیں۔ صد ہزار بار بھی مرنا پڑتا تو دریغ نہ کرتے۔ دیکھو دیکھو! کلامِ الٰہی کے ان چند الفاظ نے کیسا تغیرِ عظیم برپا کیا کہ وہ عشاق جو چند لمحے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر زبان پر لانے والوں کی جان کے درپے تھے۔ خود ان کی اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور قوی ہیکل جوان غم واندوہ کی شدّت سے پچھاڑ کھا کھا کر زمین پر گرے! لیکن یہ وہم تک کسی کے دل میں نہ گذرا کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی آیت کی تاویل اپنی مرضی کے مطابق کر لیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تسلیم کرنے سے انکار کر دیں!!! پھر دیکھو آج کل کے علماء کو کیا ہو گیا!!! کیوں انکی محبت کے دھارے رسُولِ مکّی و مدنی سے رُخ موڑ کر مسیحِ ناصریؑ کی جانب بہنے لگے اور کیوں بنی اسرائیل

کے اس گذرے ہوئے رسُول کی محبت میں ایسے حد سے گذر گئے کہ قرآن کے واضح ارشادات کو بھی پسِ پُشت ڈالنے کی جرأت کرنے لگے ۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ جن الفاظ میں یہ علماء خود بھی مانتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کی خبر دی تھی۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کے وہی بعینہٖ وہی الفاظ جب مسیحِ ناصریؑ کے حق میں استعمال ہوئے تو اس آیت کے معنے کچھ اور کرنے لگے۔ کاش وہ حسّان بن ثابتؓ کی اندھی مگر پُربصیرت آنکھ ہی سے عرب میں ظاہر ہونے والے اس نُور کو دیکھنے کی قدرت رکھتے اور اس انسانِ کامل کے حُسن کو سراہنا جانتے کہ جو مجسم نور تھا اور جس نے صحابہؓ کے قلوب کو کمالِ حُسن سے شیفتہ و فریفتہ کر رکھا تھا۔ کاش وہ حسانؓ بن ثابت کے ہمنوا ہو کر فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مخاطب کر کے کہہ سکتے :۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِي ؛ فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ ؛ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

کہ اے میرے محبُوب تُو تو میری آنکھ کی پُتلی تھا۔ پس آج میری آنکھ کی پُتلی تیری وفات سے اندھی ہوگئی۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرتا پھرے۔ مجھے تو اک تیری ہی موت کا ڈر تھا۔

یہ وہ شعر ہیں جو ایک نابینا شاعر حضرت حسّان بن ثابتؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال پر آپ کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

اَے آقائے مکّی و مدنی کی محبّت کا دم بھرنے والو دیکھو! یہ تھی وہ رُوح جس رُوح کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اپنے محبُوب آقا کے ساتھ بے مثال محبت کی۔ ان کے نزدیک اگر دُنیا میں کوئی انسان زندہ رہنے کا حق رکھتا تھا تو فقط وہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور ان کی وفات کے بعد انہیں کچھ بھی اس اَمر کی پروا نہ تھی کہ خطّۂ ارض پر آنیوالے ہر زمانے کے تمام رسُول ہزار دفعہ فوت ہو جائیں۔ لیکن ہمارے ان کرم فرما علماء کو بھی ذرا دیکھو کہ ہمارے

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مار دیتے ہیں۔ اور مسیح ناصریؑ کی زندگی کے کیسے خواہاں ہیں۔ ہاں اسی کی زندگی کے خواہاں ہیں۔ کہ جس کی زندگی خود انہی کے عقائد۔ ان کے دل و جان سے عزیز نظریات اور تمناؤں کی موت ہے۔ ہاں اس کی زندگی کے خواہاں ہیں کہ جس کی زندگی کے باطل تصور نے دُنیا کو شرق سے تا غرب شرک سے بھر دیا ہے۔ اور عیسائیت کے مقابل پر اسلام کو محض بے دست و پا کر رکھا ہے۔

وفاتِ مسیح سے متعلق قرآن کریم کی ایک اور گواہی

مبادا کسی ذہن میں یہ وسوسہ ابھی تک کلبلا رہا ہو کہ "قَدْ خَلَتْ" کے الفاظ جب دوسرے انبیاءؑ کے حق میں بولے جائیں تو ان کی موت کی خبر دیتے ہیں لیکن جب مسیح ناصریؑ کی شان میں استعمال ہوں تو سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں رکھتے کہ انہیں زندہ اٹھا کر آسمان پر لے جایا گیا۔ اور دو ہزار برس گذرنے کو آئے ابھی تک وہ چوتھے آسمان پر بیٹھے اپنے اُترنے کی انتظار کر رہے ہیں۔ ایسے قارئین کے شک کے ازالہ کی خاطر ایک اور قرآنی آیت کی گواہی پیش کرتا ہوں جس کی رُو سے حضرت مسیحؑ کے لئے کہ جو مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور بنی اسرائیل کی طرف رسُول بنا کر بھیجے گئے تھے دوبارہ ہماری دُنیا میں آنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ گواہی ایک مکالمہ کی صورت میں ہے جو خدا تعالیٰ اور مسیحؑ کے درمیان ہُوا۔ اور قرآن کریم میں درج ہے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں فرماتا ہے:۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا

فِی نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ط اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ o
مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ج
وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ط فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ
كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ط وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔

(سورۃ المائدہ: ۱۱۷-۱۱۸)

ترجمہ:۔ جب خدا نے کہا۔ اے عیسیٰ بن مریمؑ کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو دو خدا مان لو۔ تو عیسیٰؑ نے جواب دیا۔ اے خُدا پاک ہے تیری ذات مجھے زیبا نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں اگر مَیں نے کوئی ایسی بات کہی ہے تو تُو اسے جانتا ہے۔ کیونکہ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور مَیں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے تو بے شک سب غیبوں کو جاننے والا ہے۔ مَیں نے انہیں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا۔ جس کا تُو نے مجھے حکم دیا اور وہ یہ کہ عبادت کرو اس کی جو میرا اور تمہارا دونوں کا رب ہے اور مَیں ان کی حالت کو دیکھتا رہا۔ جب تک کہ مَیں ان کے درمیان رہا۔ لیکن اے خُدا" جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر ایک چیز کو دیکھنے والا ہے۔"

یہ آیت بڑے واضح الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات کی خبر دے رہی ہے۔ قابلِ توجہ اَمر یہ ہے کہ اس میں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ایک ایسے واقعہ کی خبر دی جا رہی ہے جو آپؐ کے زمانہ سے قبل گذر چکا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ وہ حضرت عیسیٰ سے یہ بات آئندہ کبھی کہے گا۔ بلکہ فرماتا ہے کہ "جب اللہ نے عیسیٰ بن مریم سے کہا۔۔۔۔"

پس اَب اس بات کو نہ بھولئے کہ ہمارے آقا و مولا حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے سے قبل یہ سوال و جواب ہو چکا تھا۔ جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفصیل اس طرح بیان فرماتا ہے کہ عیسےٰ علیہ السّلام کی قوم میں جو شرک

پھیلا ہوا ہے اس کے متعلق جب خدا تعالیٰ نے ان سے سوال کیا کہ کیا تم نے ہی اپنی قوم کو شرک کی تعلیم دی تھی تو جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے خدا تعالیٰ کے حضور اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اور عرض کیا۔ کہ اَے اللہ! مجھے تو صرف اسی وقت تک کے حالات کا علم ہے جب تک مَیں ان میں رہا۔ پھر جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو ......

اَب فرمائیے اس آیت کے ہوتے ہوئے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ رہنے کا کوئی سوال باقی رہتا ہے؟ کیا اس امر میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل دو باتیں اس سے بڑی واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہیں:۔

اوّل یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ سے قبل ہو چکی تھی کیونکہ یہ سوال وجواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے اور حضرت عیسیٰ صاف اس میں اپنی موت کا اقرار کر رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی قوم میں شرک بہرحال آپ کی وفات کے بعد پھیلا ہے۔ ورنہ آپ ہرگز یہ نہ کہتے کہ اپنی وفات تک تو مَیں ان کی نگرانی کرتا رہا اور انہیں توحید ہی کی تعلیم دیتا رہا۔ ہاں وفات کے بعد کے حالات کی مجھے خبر نہیں۔ اب دیکھنے والی بات صرف یہ رہ جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی قوم میں شرک پھیلا ہُوا ہے۔ یا نہیں اور کب سے پھیلا ہُوا ہے؟ جس زمانہ میں بھی شرک ثابت ہُوا۔ اس سے پہلے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی ثابت ہو جائے گی۔ کون ہے اَب جو اس حقیقت کو بدل سکے اور کون ہے جو اس امر کا انکار کر سکے کہ حضرت عیسیٰؑ کی قوم میں شرک ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت سے سینکڑوں سال قبل پھیل چکا تھا اور آپؐ کی بعثت سے ذرا پہلے تو شرک کا ایسا دَور دورہ ہو چکا تھا کہ قرآنی بیان کے مطابق ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (سورۃ الروم آیت: ۴۲)

کی حالت تھی۔ یعنی خشکی میں بھی فساد برپا تھا اور تری میں بھی اور کوئی حصہ اس دارِ فانی کا ایسا نہ رہا تھا جو شرک نجاست سے پاک ہو۔ تب اس مُوحّدِ اعظم کے آنے کا وقت آیا جس کا نام آسمان پہ بھی **محمدؐ** رکھا گیا اور زمین پر بھی۔

مجھے ان لوگوں کی حالت پر رحم آتا ہے جو اس آیت کے ہوتے ہوئے بھی آج تک حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو زندہ آسمان پر بٹھائے ہوئے ہیں۔ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ یہ تو ایک دو دھاری تلوار ہے جو ایک خیرہ کر دینے والی چمک کے ساتھ حضرت مسیح ناصریؑ کے وصال کی خبر دے رہی ہے! مجھے ان لوگوں کی حالت پر رحم آتا ہے جو اس بیّن آیت کے مطالب کو بھی توڑنے مروڑنے اور اپنی مرضی کی صورت میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن مَیں انہیں متنبّہ کرتا ہوں کہ یہ وہ نرم لوہا نہیں جسے ہر گنوار آہن گر اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے جیسے چاہے نئی نئی شکلوں میں ادلتا بدلتا رہے۔ یہ تو خدائے ذوالجلال کی ازلی و ابدی محکمات میں سے وہ فولادِ محکم ہے جس کے ایک ذرّے کو بھی کوئی اپنے مقام سے ٹلا نہیں سکتا۔

ہمارے مخالف علماء کی تاویلیں

تعجب کی بات ہے کہ قرآن کریم کے اس واضح اعلان کے باوجود لوگ طبع آزمائی سے نہیں چوکتے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو موت سے بچانے کے لئے پہلا عذر تو وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس سوال وجواب کا ذکر ہے وہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے نہیں ہوا بلکہ بعد میں ہوگا۔ اور بعد بھی کوئی معمولی بعد نہیں بلکہ حشر نشر کا دن ہے کیونکہ بعض اوقات قرآنِ کریم ذکر تو اس طرح فرماتا ہے جیسے کوئی واقعہ گذر چکا ہو لیکن دراصل وہ قیامت یا حشر نشر کے دن کی خبر ہوتی ہے۔ پس یہ عذر پیش کرکے وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہیں ہوسکتی۔ جواباً مَیں یہ عرض کرتا ہوں کہ فرض کیجئے ایسا ہی ہے اور یہ سوال قیامت کے دن ہوگا۔ تب بھی تو ہمارے مخالف

علماء کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ یہ حقیقت تو پھر بھی بدل نہیں سکتی کہ حضرت عیسیٰؑ کے اقرار کے مطابق جب تک انہیں خدا تعالیٰ نے وفات نہیں دی ان کی قوم میں شرک نہیں پھیلا۔ پس خواہ وہ قیامت کے دن یہ بات کہیں یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ عیسائیوں میں شرک پھیلنے سے پہلے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ عیسائیوں میں شرک ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے پھیل چکا تھا۔ پس مَیں علماء سے پوچھتا ہوں کہ اَیْنَ الْمَفَر؟ اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟

بھاگنے کی ایک جگہ

وہ علماء جو کسی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات تسلیم کرنے پر رضا مند نہیں ہوتے اب فرار کی یہ عجیب راہ اختیار کرتے ہیں کہ لفظ تَوَفَّیْتَنِیْ کا ترجمہ "تُو نے مجھے وفات دی" ماننے سے انکار کر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس آیت کا ترجمہ یہ کریں گے کہ "تُو نے مجھے اُٹھا لیا" اور "اُٹھا لیا" کی تشریح یہ کریں گے کہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ اب قارئین خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ اس صورت میں احمدیوں کے پاس کیا چارۂ کار رہ جاتا ہے۔ مولوی صاحبان اگر یہ کہنے لگ جائیں۔ کہ فلاں لفظ کا یہ ترجمہ نہیں بلکہ یہ ترجمہ ہے تو غیر مولوی سادہ لوح مسلمان تو بہر حال اپنے مولویوں ہی کی بات مانیں گے ایسی صورت میں فیصلہ کیسے ہوگا؟

فیصلہ کیسے ہو؟

اس کے جواب میں فیصلہ کی دو تین صورتیں معزز قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دوست عربی لغت کی طرف رجوع فرمائیں۔ جو ایک غیر جانبدار قاضی ہے۔ اور دیکھیں کہ وہ کس کے حق میں فیصلہ دیتی ہے۔ کوئی سی بھی عربی لُغت اٹھا کر زیرِ لفظ تَوَفّٰی دیکھ لیجئے کسی ایک جگہ بھی اس کا ترجمہ جسم سمیت اٹھانا یا آسمان پر اٹھانا نہ پائیں گے بلکہ یہی لکھا ہُوا دیکھیں گے کہ جب کہا جائے کہ تُوُفِّیَ فُلَانٌ تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص مر گیا۔

اِسی طرح تَوَفَّاہُ اللّٰہُ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا۔ ذیل میں عربی کی چند مشہور اور مُستند لغت کی کتب سے مثالاً بعض حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

تاج العروس۔ (ا) تَوَفَّاہُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَبَضَ نَفْسَہٗ۔ یعنی جب کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں شخص کی تَوَفِّی کی ہے تو اس کا مطلب ہو گا کہ خدا تعالیٰ نے اس کی رُوح قبض کر لی۔

(ب) تُوُفِّیَ فُلَانٌ اِذَا مَاتَ۔ یعنی کسی شخص کے متعلق جب یہ کہا جائے کہ تُوُفِّیَ تو اس سے مراد یہ ہو گی کہ وہ شخص مر گیا۔

المنجد۔ (ا) تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَمَاتَہٗ۔ یعنی جب کہا جائے تَوَفَّاہُ اللّٰہُ تو مراد یہ ہو گی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا۔

(ب) تُوُفِّیَ فُلَانٌ۔ قُبِضَتْ رُوْحُہٗ وَمَاتَ۔ فَاللّٰہُ الْمُتَوَفِّیْ وَالْعَبْدُ الْمُتَوَفّٰی۔ یعنی تُوُفِّیَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ مارنے والا اور بندہ مرنے والا ہوا۔

فرائد الدُّرِّیَّہ۔ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ۔ یعنی خدا نے اُسے مار دیا۔

یہ چند حوالے مثالاً دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ گنجائش نہیں کہ لُغت کی ہر کتاب کا حوالہ دیا جا سکے ہر تحقیق کرنے والا چاہے تو اپنے طور پر چھان بین کر سکتا ہے۔ لیکن مَیں اُسے یقین دلاتا ہوں کہ خواہ وہ لُغت کے بعد لُغت کی ورق گردانی کرتا چلا جائے ہر جگہ اُسے تَوَفَّاہُ اللّٰہُ کا مطلب اللہ تعالیٰ نے اُسے مار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے مار دیا ہی ملتا چلا جائیگا۔ ورکسی ایک لغت میں بھی اس کے معنے یہ نظر نہیں آئیں گے کہ خدا تعالیٰ نے اُسے جسم سمیت اُٹھا لیا۔ آخر لُغت کی کتابیں تو احمدیوں نے نہیں لکھیں۔ پھر یہ کیا اندھیر ہو گیا کہ ہر لُغت کی کتاب اس زمانہ کے علماء کو جھٹلا رہی ہے اور سو فی صدی جماعتِ احمدیہ کے مسلک کی تائید کر رہی ہے۔

وہ احباب جو عربی گرامر کی شُدھ بُدھ رکھتے ہیں۔ ان کے لئے گرامر کی اصطلاح میں اس مسئلہ

کو یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور ذی رُوح مفعول بہ ہو اور لفظ تَوَفّی خدا تعالیٰ کا فعل ٹھہرا کر ذی رُوح کی نسبت سے استعمال کیا گیا ہو۔ تو ہرگز ہرگز اس کے معنے قبضِ رُوح کے سوا کچھ اور نہیں کئے جا سکتے۔ اہل علم کیلئے یہ ایک چیلنج CHALLENGE ہے۔ جسے بیسیوں سال سے جماعتِ احمدیّہ پیش کر رہی ہے لیکن آج تک کسی کو توفیق نہیں ملی کہ اس کا جواب دے۔ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب بانیٔ جماعتِ احمدیّہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"جب سے دُنیا میں عرب کا جزیرہ آباد ہُوا ہے۔ اور زبانِ عربی جاری ہوئی ہے کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ تَوَفّی کا لفظ کبھی قبض جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو۔ بلکہ جہاں کہیں تَوَفّی کے لفظ کو خدا تعالیٰ کا فعل ٹھہرا کر انسان کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور قبض رُوح کے معنی پر آیا ہے نہ قبضِ جسم کے معنوں میں۔ کوئی کتاب لُغت کی اس کے مخالف نہیں کوئی مثل اور قول اہلِ زبان کا اس کے مغائر نہیں۔ غرض ایک ذرّہ احتمالِ مخالف کے گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیثِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اشعار و قصائد و نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے۔۔۔۔ تو مَیں اللہ جلشانہٗ کی قسم کھا کر اقرارِ صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دُوں گا۔"

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۶۰۲، ۶۰۳)

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے آج تک کسی اہلِ علم کو توفیق نہیں ملی کہ یہ چیلنج قبول کرے۔ ہاں کچھ عرصہ قبل جناب مولوی مودودی صاحب کو اس کا ایک جواب سوجھا تھا جو قارئین کی دلچسپی کی خاطر پیش کرتا ہوں۔ جناب مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

"بعض لوگ جن کو مسیحؑ کی طبعی موت کا حکم لگانے پر اصرار ہے سوال کرتے ہیں کہ تَوَفّی کا لفظ قبضِ رُوح وجسم پر استعمال ہونے کی کوئی اور نظیر بھی ہے لیکن جبکہ قبضِ روح وجسم کا واقعہ تمام بنی نوعِ انسان کی تاریخ میں پیش ہی ایک مرتبہ آیا ہو تو اس معنی پر اس لفظ کے استعمال کی دلیل پوچھنا محض ایک بے معنی بات ہے۔"

(تفہیم القرآن طابع وناشر شیخ محمد قمرالدین مطبع مرکنٹائل پریس لاہور مطبوعہ ۱۹۵۱ء جلد اوّل صہ ۴۲۱)

جناب مودودی صاحب کو آجکل کے علماء میں یہ امتیازی شان حاصل ہے کہ غوطہ خوری بہت کرتے ہیں اور نئے نئے نکات پیش کرنے کے شوق میں بسا اوقات بہت دُور کی کوڑیاں لاتے ہیں۔ لیکن ان کی مثال ایک ایسے غوطہ خور کی سی ہے جس کے نکالے ہوئے موتی اسی وقت تک موتی رہتے ہیں جب تک دن کی روشنی میں ظاہر نہ ہوں۔ دن کی روشنی میں جب ظاہر ہوں تو...... اسی جواب کو دیکھ لیجئے جو اس سے پہلے کسی دوسرے عالم کو نہیں سُوجھا۔

اس میں پہلی قابل توجہ بات آپ کو یہ نظر آئے گی کہ جناب مودودی صاحب نے جواب دینے کی کوشش میں کھلے لفظوں میں حضرت مرزا صاحب کے چیلنج کی سچائی کو قبول کر لیا۔ جبکہ دوسرے علماء حکمتِ عملی سے اس بارہ میں خاموش تھے۔ جب یہ تسلیم کر لیا کہ واقعی اس کی کوئی مثال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہو اور قبض رُوح کے سوا اس کا کوئی اور مطلب ہو تو پھر حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا یہ چیلنج تو خود بخود سچا ثابت ہو گیا۔ ہم جناب مولوی صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے خواہ کسی وجہ سے ہی سہی مگر حق کا اعتراف تو کیا۔

اب ان کے استدلال کو لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کا واقعہ انسانی تاریخ میں ایک بے مثل واقعہ ہے اسلئے مسلمان علماء کے لئے اس امر کا ثبوت

ضروری نہیں کہ تَوَفّٰی کا لفظ جسم سمیت اٹھائے جانے کے معنوں میں کبھی استعمال ہوُا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے تو مَیں مؤدبانہ یہ سوال کروں گا کہ جناب مودودی صاحب حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے اَب قائل نہیں رہے اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ایک رات کے لئے اللہ تعالیٰ آپ کو اُٹھا کر ساتویں آسمان سے بھی اوپر سرحدِ ادراک سے پرے لے گیا تھا؟...... اگر یہ عقیدہ ان کا تبدیل نہیں ہوُا۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السَّلام کے آسمان پر جانے کو انسانی تاریخ کا بے مثل واقعہ قرار دینا کیسی ناانصافی اور حق پوشی ہے۔ اگر ان کی شان کے علماء بھی ایسی مغالطہ آمیزیاں کر سکتے ہیں۔ اور محض مناظرہ جیتنے کی خاطر جان بُوجھ کر بعض حقائق کو چُھپا سکتے ہیں۔ تو پھر چھوٹے چھوٹے نسبتاً کم علم مولویوں سے ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں لیکن غالباً اس کا تعلق علم کی نسبت تقویٰ اللہ سے زیادہ ہے اور افسوس جناب مولوی صاحب نے اس موقع پر ہرگز اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار نہیں کیا۔ لیکن بفرضِ محال اگر جناب مودودی صاحب نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ اور بھول کر یہ دعویٰ کر بیٹھے۔ تو کم سے کم اتنا تو سوچا ہوتا کہ باقی بڑے بڑے اہلسنّت، اہلحدیث اور اہلِ تشیع علماء جو اس بارہ میں خاموش تھے۔ تو کوئی وجہ ہوگی۔ یہ تو نہیں کہ مولوی صاحب سے بڑھ کر کوئی عالم ہی دنیا میں موجود نہیں تھا اور حضرت عیسٰیؑ کے واقعہ کی طرح آپ بھی اپنے علم میں منفرد تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ باقی علماء خوب جانتے تھے۔ کہ یہ جواب عذرِ گناہ بدتر از گناہ سے بڑھ کر نہیں۔ اور عقل اس کی خُوب بوٹیاں نوچ کھائے گی۔

دوسری بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ تو چیلنج ہی نہیں دیا تھا کہ کوئی ایسی مثال پیش کرے۔ کہ تَوَفّٰی کا مطلب آسمان پر اُٹھانا ہو حضرت اقدس کا یہ چیلنج تو یہ تھا کہ کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ کہ تَوَفّٰی کا لفظ رُوح کے علاوہ جسم پر قبضہ کرنے کے معنوں میں استعمال ہوُا ہو۔ پس آسمان پر جانے کی کوئی مثال ہو یا نہ ہو۔ اس دُنیا میں جسموں کے قبضے میں لئے جانے کی تو

بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ آئے دن جنگوں میں طرفین کی فوجیں مقابل کے سپاہیوں کے جسم قبضے میں کرتی ہیں اور آج تک لاکھوں کروڑوں انسانوں کے جسم دوسرے انسانوں نے اپنے قبضے میں کئے ہوں گے۔ پھر کیا ایک بھی مثال ایسی ہے کہ اس موقع پر لفظ توفی کا استعمال ہوا ہو۔

سوال تو یہ تھا کہ حضرت مسیح کے آسمان پر چڑھ جانے کے لئے آخر اللہ جلشانہٗ نے ایسے الفاظ کیوں استعمال فرمائے جن کا مطلب سوائے قبضِ روح کے اور کچھ نہیں بنتا۔ دیکھئے محاورۂ عرب میں ہزاروں سال سے یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے۔ لیکن ایک بھی مثال نہیں کہ قبضِ روح کے سوا کسی اور معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ مگر مودودی صاحب ہنس کر جواب میں فرماتے ہیں کہ کیسی بے معنی باتیں کرتے ہو! یہ واقعہ چونکہ بے مثل ہے اس لئے اس کے لئے لفظ بھی ایسا استعمال ہونا چاہیئے تھا جس کا استعمال ان معنوں میں بے مثل ہو!!!

مولوی صاحب موصوف کے استدلال کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی بچہ کسی دوسرے بچے کو خبر دے کہ "ابا جان نے ہمیں بتایا ہے کہ ہمارے گھر جو گوشت پڑا ہوا تھا۔ وہ خود بخود سونا بن گیا ہے"۔ یہ بات سُن کر اس کا بڑا بھائی پاس سے بول اُٹھے کہ میاں اُلٹ پلٹ باتیں نہ کرو ابا جان نے تو صرف یہ کہا تھا کہ گوشت پڑا پڑا سڑ گیا ہے۔ یہ کب کہا تھا کہ سونا بن گیا ہے؟ جواب میں وہ بچہ کہے کہ "کہا تو یہی تھا کہ سڑ گیا ہے مگر اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ سونا بن گیا ہے"۔ بڑا بھائی اس انوکھے طرزِ استدلال سے اُکتا کر اس سے پوچھے کہ کوئی مثال تو بتاؤ کہ کبھی لفظ "سڑ گیا" گوشت کے سونا بننے کے معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ تو وہ ہنس کر یہ جواب دے کہ بھائی ایسی بے معنی باتیں نہ کرو۔ گوشت کے سونا بننے کا واقعہ اس سے پہلے کبھی ہوا ہی نہیں تو میں کہاں سے ثابت کروں کہ لفظ "سڑ گیا" ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ابا جان کا مطلب یہی تھا کہ گوشت سونا بن گیا ہے"۔

اب فرمائیے کہ مودودی صاحب کے پاس اگر یہ مقدمہ جائے تو کس کے حق میں فیصلہ دیں گے؟

چھوٹے بھائی کے حق میں یا بڑے بھائی کے حق میں؟ اگر بڑے بھائی کے حق میں فیصلہ دیں تو مرزا صاحب سچے بنتے ہیں۔ اور حضرت مسیح ناصریؑ کی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اگر چھوٹے بھائی کے حق میں فیصلہ دیں تو عقل کو جواب دینا پڑتا ہے اور جگ ہنسائی ہوتی ہے۔ لیکن جگ ہنسائی تو وہ اسی وقت کروا بیٹھے جب انہیں یہ جواب سُوجھا تھا۔ کیا بہتر نہ تھا کہ اس سے پہلے یہ سوچ لیتے کہ آخر دوسرے علماء جو خاموش تھے تو کوئی بات ضرور ہو گی؟

یہ جواب کیوں عقل کے خلاف ہے

مودودی صاحب کا جواب اس لئے عقل کے خلاف ہے کہ اگرچہ یہ درست ہے کہ بعض واقعات بے مثل اور بے نظیر ہُوا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی زبان ان واقعات کے بیان کی طاقت ہی نہیں ہوتی اور مجبوراً غلط لفظ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً یہ بات سب علماء جانتے ہیں کہ کبھی آج تک کسی پلیٹ میں پڑا ہُوا حلوہ مرغی نہیں بنا۔ لیکن باوجود اس کے اس واقعہ کے بیان کے لئے صحیح الفاظ ہر زبان میں موجود ہیں۔ اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرنا چاہے کہ فلاں وقت ایسا ہُوا تو وہ بآسانی ایسا کر سکتا ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ اگر بے مثل بھی تھا تو عربی زبان میں ایسے الفاظ بہرحال موجود تھے۔ جو اس واقعہ کی عام الفاظ میں خبر دیدیتے۔ پھر ایسا کیوں ہُوا۔ کہ زندہ جسم سمیت آسمان پر اٹھانے کیلئے خدا تعالیٰ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جن کا مطلب عارضی یا ہمیشہ کی نیند سُلا دینے کے سوا کچھ اور نہ ہو۔

دیکھئے حضرت موسیٰؑ کے عصا کا اژدہا بن جانے والا واقعہ بھی تو بے مثل واقعہ تھا۔ لیکن قرآنِ کریم نے اُسے عام فہم لفظوں میں بیان فرما ہی دیا! چونکہ یہ بے مثل واقعہ تھا اسلئے کوئی ایسا لفظ تو استعمال نہیں فرمایا۔ جس کا مطلب کچھ اور ہی ہو۔ پس یہ سوال کرنے کا حق ہر شخص رکھتا ہے کہ اگر وفات دینے سے مراد آسمان پر اُٹھانا ہے تو جب تک لغتِ عرب سے اس کی مثال نہ پیش کی جائے ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ افسوس کہ بعض بڑے بڑے علماء کو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اس طرح

سمجھانی پڑ رہی ہیں جیسے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کوئی بڑی بات سمجھائی جائے۔

اپنے خلاف علماء کی اپنی گواہی ہمارے ملک میں اکا دکا ہی ایسے گھر ہوں گے جہاں عربی لغت کی کتابیں موجود ہوں۔ نیز اگر ہوں بھی تو ان کا استعمال بہت کم دوست جانتے ہیں۔ اس لئے ایسے دوستوں کی سہولت کے لئے فیصلہ کی ایک اور آسان صورت پیش کرتا ہوں۔ اگر لغت نہیں تو نہ سہی ترجمے والا قرآن شریف تو خدا کے فضل سے ہر مسلمان گھر میں موجود ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں تَوَفّی کا لفظ کسی نہ کسی شکل میں ۲۳ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اس میں سے دو مرتبہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اور دو مرتبہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اور ۱۹ دفعہ دوسرے مواقع پر۔ آپ یوں کیجئے کہ کسی بھی غیر احمدی عالم کا کیا ہوا ترجمہ اٹھا کر ان سب مقامات پر نظر ڈالئے۔ آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کو چھوڑ کر باقی ہر جگہ اس کا ترجمہ وفات یا موت کیا ہوا ہے۔ صرف دو جگہ نیند ترجمہ ملے گا۔ جو دراصل قبض روح ہی کی ایک عارضی شکل ہے۔ پھر کیا جائز نہیں کہ علماء سے کوئی پوچھے۔ کہ جب تم خود تَوَفّی کا ترجمہ ہر جگہ قبض روح ہی کرتے ہو حتیٰ کہ حضرت سیّدِ وُلدِ آدمؐ کے متعلق بھی جب یہ لفظ استعمال ہو تو تم قبضِ روح یا وفات یا موت کے سوا کوئی اور ترجمہ نہیں جانتے پھر تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی دفعہ اسی لفظ کا ترجمہ آسمان پر اٹھانا کر لو۔ افسوس کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس کا ترجمہ "موت" کر لیا جائے لیکن حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جب اللہ تعالیٰ یہی لفظ استعمال فرمائے تو اس کے معنے "موت" کرنے سے انکار کر دو!!

اے علماءِ اسلام! آخر کب تک تم خود ہی اپنے پیارے رسولؐ سے ایسی ناانصافی کرتے رہو گے؟

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ آخر پر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کا ایک ایسا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ جو میں نے یا آپ نے یا کسی مولوی صاحب نے نہیں کیا۔ بلکہ خود سرورِ دو عالم حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے۔ اس کے بعد میں اس بحث کو ختم کردوں گا۔ کیونکہ میرے نزدیک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قطعی فیصلہ کے بعد اس بحث کو مزید طول دینا گستاخی ہوگی۔

"بخاری شریف" میں جسے خدا تعالیٰ کی کتاب کے بعد سب سے صحیح کتاب کہا جاتا ہے۔ یہ روایت درج ہے کہ ایک روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن جب میں حوضِ کوثر پر کھڑا ہوں گا۔ تو اچانک چند لوگ میرے سامنے آئیں گے۔ جنہیں فرشتے جہنم کی طرف دھکیلے لئے جا رہے ہوں گے۔ انہیں دیکھ کر میں پکار اٹھوں گا۔ "اُصَیْحَابِیْ اُصَیْحَابِیْ" یعنی یہ تو میرے صحابہ ہیں! میرے صحابہ ہیں۔ اس پر مجھے جواب ملے گا:۔

اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ ۔ اِنَّهُمْ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰٓی اَعْقَابِهِمْ۔" (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب وکنت علیھم شھیدًا)

یعنی آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا رنگ بدلا۔ یہ تو اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے۔ اور مرتد ہونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ سن کر اَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ" میں ویسی ہی بات کہونگا جو خدا کے نیک بندے عیسٰی بن مریمؑ نے کہی تھی:۔

"کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ج فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ ....."

یعنی جب تک میں ان کے درمیان رہا۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ ہاں جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تُو ہی ان کا نگران تھا۔

تمام مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں اس بات پر سو فی صدی متفق ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ اور یہ جواب جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ اس میں اپنی وفات کا ہی ذکر فرما رہے ہیں۔ لیکن یہ جواب تو لفظاً لفظاً وہی جواب ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی طرف قرآن کریم میں منسوب کیا گیا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ

کے جواب "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" کا ترجمہ "جب تُونے مجھے جسم سمیت اٹھا لیا" ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس جواب کو اپنے لئے استعمال نہ فرماتے۔ پس آپ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ کو خود اپنی وفات ظاہر کرنے کے لئے استعمال فرمانا صاف بتا رہا ہے کہ آپ کے نزدیک ان الفاظ کا ترجمہ "تُونے مجھے وفات دے دی" کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ سُنا کر اب مَیں اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ کیونکہ اب سوال یہ نہیں رہا کہ جماعت احمدیہ کا ترجمہ درست ہے یا غیر احمدی علماء کا۔ بلکہ یہ سوال ہو گیا ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ درست ہے یا ان علماء کا جو اس کے برعکس ترجمہ کرتے ہیں۔ پس اب بھی اگر کوئی نہ مانے تو اس کا معاملہ خدا کے سپُرد ہے کہ وہی بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے۔

گریز کی سب راہیں بند ہیں

اب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سُنانے کے بعد اس بحث میں پڑنا نامناسب ہے کہ "تَوَفَّيْتَنِيْ" کا مطلب موت ہے یا دو ہزار سالہ زندگی۔ جسم کا مر کر مٹی میں مل جانا ہے یا زندہ چوتھے آسمان پر جا بیٹھنا۔ جو چاہے جیسے چاہے ترجمہ کر لے مَیں تو صرف اتنا کہوں گا کہ گریز کی سب راہیں بند ہیں! اور اب کوئی مسیح ابن مریمؑ کو دوبارہ اس دنیا میں آتے نہ دیکھے گا! اس امر سے بے نیاز کہ "تَوَفَّيْتَنِيْ" کا کیا ترجمہ ہے۔ یہ آیت تو صاف صاف مسیح ابنِ مریمؑ کی ہمیشہ کی جدائی کی خبر دے رہی ہے جس کے بعد پھر انہیں اس دارِ فانی کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔

بات واضح ہے اور سب ذہین پڑھنے والوں کی توجہ پہلے ہی اس طرف پھر چکی ہوگی لیکن احتیاطاً اس پر کچھ مزید روشنی ڈالتا ہوں تاکہ غلط فہمی کا کوئی خطرہ نہ رہے۔

دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام قیامت کے دن اپنی قوم کے مشرکانہ عقائد سے لاعلمی کا اظہار فرمائیں گے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ:۔

اوّل:۔ حضرت علیہ السّلام اپنی قوم سے اس وقت جُدا ہوئے جب قوم میں ابھی شرک

نہ پھیلا تھا۔

دوم :۔ جب ایک دفعہ جُدا ہوئے تو کچھ ایسے جُدا ہوئے کہ قیامت کے دن تک پھر کچھ خبر نہ ہوئی کہ قوم کیا کچھ کرتی رہی۔ حتیٰ کہ یہ بھی علم نہ ہُوا کہ ان کو اور ان کی ماں کو خدا بنا کر پُوجا جا رہا ہے۔ ورنہ خدا تعالےٰ کے حضور روزِ قیامت اپنی لاعلمی کا اظہار نہ کرتے۔

دیکھئے اس کے بعد اب اس بحث کی ضرورت بھی کیا رہتی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کس طرح اپنی قوم سے جُدا ہوئے۔ مَر کر جُدا ہوئے۔ سو کر جُدا ہُوئے یا آسمان پر چڑھ کر جُدا ہوئے۔ نتیجہ ہر صورت میں یہی نکلے گا کہ جس صورت میں بھی جُدا ہُوئے دنیا کے حالات سے قیامت تک کے لئے بے خبر ہو گئے۔ پس "تَوَفَّیۡتَنِیۡ" کا ترجمہ اب شوق سے جو چاہیں کریں۔ اگر یہ ترجمہ پسند ہے کہ جسم سمیت اُٹھا لیا تو یہی سہی لیکن پھر یہ بھی تو ماننا پڑیگا کہ قیامت تک جسم سمیت آسمان پر ہی موجود رہے۔ ورنہ اگر بیچ میں ایک آدھ بار دنیا میں تشریف لائے ہوتے تو عیسائیوں کے شرک سے بے خبر کیسے رہتے۔ اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ یا تو قیامت تک آسمان پر ہی زندہ رہے یا پھر وفات پائی۔ تو وہیں وفات پائی اور جس طرح باقی انسانوں کے متعلق قرآن کریم میں لکھا ہے کہ :۔

فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ وَ فِیۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ ۝ (سورہ اعراف آیت ۲۶)

یعنی تم زمین ہی میں زندہ رہو گے زمین ہی میں مَرو گے اور زمین ہی سے نکالے جاؤ گے اسی طرح کا ایک استثنائی حکم حضرت عیسٰیؑ کے متعلق یہ صادر کرنا پڑے گا کہ "تم آسمان ہی میں زندہ رہو گے آسمان ہی میں مَرو گے اور آسمان ہی سے روزِ قیامت نکالے جاؤ گے اور ایک دفعہ دنیا کے حالات سے بے خبر ہونے کے بعد دوبارہ تمہیں دُنیا کے حالات کی کوئی خبر نہ دی جائے گی۔"

پس مسیح ابنِ مریمؑ جو ناصرہ میں پیدا ہُوئے اور بنی اسرائیل کی طرف رسُول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قرآن و حدیث واشگاف الفاظ میں اُن کی ہمیشہ کی جدائی کی خبر دے رہے ہیں۔ اب دُنیا

والوں کو اس سے کیا غرض کہ وہ مر کر جُدا ہُوئے یا جُدا ہو کر مر گئے۔ہاں اتنا فرق ضرور پڑتا ہے کہ آسمان پر حضرت عیسٰیؑ کو اُٹھا کر تنہائی اور غربت کی موت مارنے سے خدا تعالیٰ کی شانِ حکیمی اور شانِ کریمی پر حرف آتا ہے اور اس کی طرف ایک لغو اور عبث فعل منسوب کرنا پڑتا ہے۔ پس جو چاہے ایسا کرے۔مَیں تو اپنے خدا کی طرف ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ایسی چیز منسوب نہ کروں جس سے اس قدوس ذات کی قدوسیّت پر ادنیٰ سا حرف بھی آئے۔پس پاک ہے میرا رب۔مسیح ابنِ مریمؑ ایک بشر رسُول کے سوا کچھ نہ تھے اور دوسرے تمام رسولوں کی طرح وہ بھی اس دُنیا ہی میں مَر کر اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بزرگانِ گذشتہ کا مسلک

قرآنِ کریم کی بیّن گواہی کے بعد جس کی تائید میں واضح صحیح احادیث بھی پیش کی گئی ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا کہ کسی اور بزرگ کی گواہی پیش کی جائے۔لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ بعض ایسے سادہ لوح مسلمان بھی دنیا میں موجود ہیں جنہیں قرآن و حدیث اور عقل کی گواہی پر اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا جب تک ساتھ ہی بعض بڑے بڑے علماء یا بزرگانِ سلف کی گواہی بھی پیش نہ کی جائے۔پس ایسے احباب کی تسلّی کی خاطر نہایت اختصار کے ساتھ بعض بزرگان اور علمائے اسلام کی گواہیاں پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔جو پہلے ہی بہت طویل ہو چکی ہے۔اس امر کی بالخصوص اس لئے ضرورت پیش آئی ہے کہ بعض دفعہ جماعتِ احمدیہ کے مخالف علماء عوام النّاس کے دل میں یہ وہم ڈال دیتے ہیں کہ تقریباً چودہ سو سال سے اُمّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم متفقہ طور پر یہ عقیدہ رکھتی چلی آئی ہے کہ

حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر چلے گئے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آج صرف احمدیوں پر ہی حق کھلا ہو اور بلا استثناء گذشتہ تمام بزرگان کو غلطی لگ گئی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اگر کبھی کوئی اجماع ہؤا ہے تو حیاتِ مسیح کے عقیدہ پر نہیں بلکہ وفات مسیحؑ کے عقیدہ پر ہؤا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر تمام صحابہؓ اس امر پر اتفاق فرما گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام انبیاء فوت ہو چکے ورنہ جیسی انہیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ اگر ایک رسول بھی ان کے نزدیک زندہ ہوتا تو کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تسلیم نہ کرتے۔

دراصل حیات مسیحؑ کا عقیدہ بعدازاں نومسلم عیسائیوں کے اثر سے اور بعض احادیث کے غلط معنے کرنے کی بناء پر مسلمانوں میں داخل ہؤا۔ اور جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے روشن زمانہ سے دُوری ہوتی چلی گئی۔ یہ عقیدہ زیادہ پھیلتا چلا گیا۔ لیکن اس کے باوجود ہر زمانہ میں بعض روشن دماغ علماء اور بزرگانِ دین ایسے ہوتے آئے ہیں جو کبھی بھی حیاتِ مسیحؑ کے قائل نہ ہوئے۔ ذیل میں چند ایسے ہی بزرگوں کی آراء مستند کتب کے حوالوں سے پیش کی جاتی ہیں :۔

(۱) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے :۔

"اَلْاَکْثَرُ اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِكٌ مَاتَ"۔

(مجمع بحار الانوار از حضرت علامہ باقر مجلسی۔ مطبع نولکشور مطبوعہ ۱۳۱۴ھ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

یعنی اگرچہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ نہیں مرے۔ لیکن امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مر گئے۔

(۲) حضرت امام بخاری ابنِ عباسؓ کے حوالہ سے "مُتَوَفِّیْكَ" کا ترجمہ "مُمِیْتُكَ" کرتے ہیں جس سے ثابت ہُوا کہ خود امام بخاریؒ بھی حضرت ابن عباس کی طرح حضرت عیسےؑ کی

موت کے قائل تھے۔ دیکھئے (صحیح بخاری کتاب التفسیر زیر آیت ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام)

(۳) اسی آیت کے متعلق فتح البیان میں لکھا ہے :۔

"کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عیسٰیؑ کو رفع سے پہلے وفات دیدی تھی"۔

(بحوالہ غریب القرآن فی لغات الفرقان زیر لفظ تَوَفّی)

(۴) رئیس المحدثین حضرت حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں :۔

"یہ جو مسیحؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے اس کی تائید میں کوئی متصل حدیث موجود نہیں"۔

(زاد المعاد طبع بالمطبعۃ المیمنیہ مصر جزء اوّل صفحہ ۲۰)

(۵) حضرت ابن حزم کے متعلق حاشیہ جلالین مع کمالین میں لکھا ہے :۔

"تَمَسَّكَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْاٰيَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهٖ"۔

کہ حضرت ابن حزم آیت کے ظاہر مفہوم کو مانتے تھے اور حضرت مسیحؑ کی موت کے قائل تھے"۔ (جلالین مطبوعہ مطبع نظامی دہلی صفحہ ۱۰۹)

یہ تو بعض گذشتہ بزرگان کے حوالے تھے اب موجودہ زمانے کے بعض مشہور و معروف علمائے اسلام کی آراء بھی سُن لیجئے :۔

(۶) الاستاذ علامہ رشید رضا سابق مفتی مصر نے ایک مضمون "ہندوستان کی طرف مسیحؑ کی ہجرت اور سرینگر کشمیر میں آپ کی وفات کا نظریہ" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں :۔

"فَفِرَارُہٗ اِلَی الْهِنْدِ وَمَوْتُہٗ فِیْ ذَالِكَ الْبَلَدِ لَيْسَ بِبَعِيْدٍ عَقْلًا وَّلَا نَقْلًا"۔

(المنار الطبعۃ الاولیٰ بمطبعۃ المنار بشارع مصر القدیمۃ جلد ۵، صفحہ ۹۰۰، ۹۰۱)

یعنی عقلی یا نقلی لحاظ سے بعید نہیں کہ وہ (یعنی حضرت مسیحؑ) ہجرت کر کے ہندوستان چلے گئے ہوں اور وہاں اس شہر (سری نگر) میں وفات پا گئے ہوں۔

(۷) موجودہ زمانہ میں دنیائے اسلام کی مشہور ترین یونیورسٹی الازہر کے رئیس الاستاذ محمود شلتوت کے ایک فتویٰ کا ترجمہ درج ذیل ہے اور جس کی اشاعت نے اس وقت کے مصری اخباروں میں تائید و مخالفت کا ایک شور برپا کر دیا تھا:۔

"قرآن کریم اور سنّتِ مطہرہ میں ہرگز کوئی ایسی سند نہیں ہے جس سے یہ عقیدہ قرار دیا جا سکتا ہو اور دل بھی مطمئن ہو جاتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جسم سمیت آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اب تک وہاں زندہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے متعلق قرآنی آیات یہ بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کو وفات دے گا۔ اور ان کا رفع کرے گا۔ اور ان کو کافروں کے شر سے بچائیگا۔ یہ وعدہ یقیناً پُورا ہو چکا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے دشمن نہ انہیں قتل کر سکے اور نہ ہی صلیب پر مار سکے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدتِ حیات کو پُورا کر کے انہیں وفات دی اور ان کا اپنی طرف رفع فرمایا"۔

(محمود شلتوت، الفتاویٰ مطبع الادارۃ العامۃ الاسلامیۃ بالازہر مطبوعہ دسمبر ۱۹۵۹ء)

وفاتِ مسیح سے متعلق جدید اور قدیم علمائے اسلام کی یہ چند آراء نموتناً پیش کی جا رہی ہیں تاکہ اس رسالے کے پڑھنے والوں پر خوب کھل جائے کہ اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء کبھی بھی حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ پر متفق نہیں ہوئے بلکہ پہلے بھی بعض بڑے پائے کے علماء وفاتِ مسیحؑ کے قائل تھے اور آج بھی ہیں۔ پس اے میرے مسلمان بھائیو! کیا ابھی تک شکوک کی وادیوں میں بھٹک رہے ہو اور اپنی لاعلمی اور سادگی میں قرآن، حدیث اور عقل کے واضح فیصلہ کے خلاف ایک فانی انسان کو خدائی صفات کا رنگ دیکر دو ہزار برس سے زندہ آسمان

پر بٹھائے ہُوئے ہو۔ تمہاری سعادت اور خوش بختی اسی میں ہے۔ کہ مرضئ مولا کے حضور سرِ تسلیم خم کر دو۔ قرآن و حدیث اگر مسیح ناصریؑ کو مارتے ہیں۔ تو اُسے مرنے دو کہ اس کی موت میں ہی اسلام کی زندگی اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت ہے۔ دیکھو عیسائی اسی باطل عقیدہ کے سہارے ابنِ مریمؑ کو خُدا کا شریک بنائے ہوئے ہیں۔ اور اسی باطل عقیدہ کی ئے پر وہ اسلام کے مقدّس رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر مسیح ناصریؑ کی فضیلت کے راگ الاپ رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں یہی وہ ہتھیار ہے جس کی تیز دھار نے مسلمانوں کے علمِ کلام کو دو نیم کر ڈالا ہے۔ حسرت اور شرم کا مقام ہے۔ کہ شیر صفت اور شیر دل مسلمانانِ سلف کی اولاد جس کا منصب یہ تھا کہ جلالِ فرقانی کے ساتھ گرجتے ہوئے بنی اسرائیل کی بھیڑوں پر حملہ آور ہوں اور تثلیث کے باطل عقیدے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ آج وہ خود بھیڑوں کی طرح عیسائی حملہ آوروں سے چھپتے پھرتے ہیں۔ اور ان کے غلبہ کے خوف سے ان کے پتّے پانی ہُوئے جاتے ہیں۔ آج جو آپ مسلمان ملکوں میں عیسائیت کے پھیلاؤ کا شور سُنتے ہیں۔ اور اسمبلیوں میں یہ احتجاج بلند ہوتے ہُوئے دیکھتے ہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان عوام عیسائی چنگل میں پھنستے چلے جاتے ہیں تو یہ بھی صرف اسی باطل عقیدے کے کڑوے پھل ہیں۔ لیکن حیف کے اس زہریلے درخت کی جڑیں علماء کے قلوب کی گہرائیوں میں پیوست ہیں اور کسی طرح اکھیڑے نہیں اکھڑتیں۔

دلائل آپ کو قائل کرنے کے لئے کافی نہیں تو کاش محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت ہی آپ کی آنکھیں کھول دے! کیسے کیسے سخت وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں آئے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے آپ کو آسمان پر نہ اٹھایا۔ آپؐ پر پتھراؤ کیا گیا۔ تیر برسائے گئے۔ تلواروں کے ظالم وار آپؐ کے معصوم سر پر پڑے اور خَود ھڈّی کو دو نیم کرتا ہوا سر میں پیوست ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ ان صدمات کی شدت سے بے ہوش ہو گئے اور گھیرا ڈالے ہوئے فدایان کی لاشوں کے ڈھیر تلے دب گئے لیکن اس خُدا نے آپ کو آسمان

پر نہ اُٹھایا جو سب بنی نوع انسان سے زیادہ آپ سے پیار کرتا تھا!!! پھر میں یہ کیسے مانوں؟........ پھر آپ یہ کیسے مان گئے کہ بنی اسرائیل کے ایک رسول کی چند گھنٹوں کی آہ وپکار نے وہ معجزہ دکھایا جو سیدِ وُلدِ آدم کی زندگی کے تئیس سالہ دُکھ نہ دکھا سکے۔ نہیں نہیں ایسا مت کہو کہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا ہر دل اس تصور سے خون ہو رہا ہے۔ سنو! میں خدائے ذو الجلال والاکرام کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ تمام کائنات میں اگر کوئی ایک وجود حقدار تھا۔ کہ دکھوں اور مصیبتوں کے المناک وقت میں زمین سے آسمان کی طرف اٹھایا جاتا۔ تو وہ صرف اور صرف ہمارے محبوب آقا، ہمارے دل وجان سے پیارے رسول محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ فِداہُ نفسی و اُمّی و اَبی ؐ

کیا اب کوئی نہیں آئے گا؟

حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا یقین ہو سکتا ہے بعض دلوں میں اُداسی اور مایوسی کی کیفیت پیدا کر دے۔ اور وہ یہ سوچنے لگیں کہ یہ جو ہم چودہ سو سال سے سُنتے آئے تھے کہ مسلمانوں کے تنزل اور ادبار کے وقت ابن مریمؑ آسمان سے نازل ہوگا صلیب کو پارہ پارہ کریگا۔ سؤروں کو قتل کرے گا۔ اور اس کے دم قدم کی برکت سے مسلمانوں کے لئے ایک نئے اور سنہری دَور کا آغاز ہوگا۔ یہ سب باتیں آخر کیا ہوئیں؟ اور کیا ہُوئے وہ وعدے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت سے کئے تھے؟ مسیح ناصریؑ کی موت کیا اسلام کے غلبۂ نو کی سب آرزوؤں کو خاک میں ملا دے گی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ خُدا جو ایک ابنِ مریمؑ کو مارنے کی قدرت رکھتا ہے اگر چاہے تو اُمتِ محمدیہ ہی سے ہزار نئے ابنِ مریمؑ اور پیدا کر سکتا ہے یہ بہرحال

ممکن نہیں کہ سب سچوں سے بڑھ کر سچے رسُول سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہُوئی کوئی بات پُوری ہوئے بغیر رہ جائے۔ زمین و آسمان تو ٹل سکتے ہیں۔ لیکن اس کلام کا ایک شوشہ بھی نہیں ٹل سکتا۔ جو خدا تعالےٰ کے اِذن سے حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہُوا۔ پس مایوسی کا کوئی سوال نہیں کیونکہ اسلام کے مستقبل میں درخشندگی اور تابندگی ازل سے لکھی جا چکی ہے اور کوئی نہیں جو اس نوشتے کے ایک نقطے کو بھی مٹا سکے یا ٹلا سکے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ وہ آثار ظاہر ہو چکے اور جاننے والے خوب باخبر ہیں کہ اسلام کی تعمیرِ نَو کی بنیادیں رکھی جا چکیں۔ لیکن یہ ایک علیٰحدہ مضمون ہے جس پر آئندہ کسی وقت روشنی ڈالی جائے گی۔ اس وقت صرف یہ سوال زیرِ بحث ہے کہ اگر وہ ابنِ مریمؑ فوت ہو چکا جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہُوا تھا تو اُمّتِ محمدیّہ میں کون اور کیسے نازل ہوگا۔

یہ ایک بہت اہم سوال ہے جو ہر لحاظ سے قابلِ غور ہے۔ احادیث میں اس کثرت سے مسیح ابنِ مریمؑ کے نزول کی خبر دی گئی ہے کہ کسی اطاعتِ رسُول کا دعویٰ کرنیوالے کے لئے ممکن نہیں کہ اس کا انکار کرے۔ جہاں تک اس بارہ میں جماعتِ احمدیّہ کے مسلک کا تعلق ہے جاننا چاہیئے کہ ہم ہرگز اہلِ قرآن کی طرح یہ نہیں کہتے کہ کتاب اللہ کے بعد کسی حدیث کی ضرورت نہیں اور احادیث میں مندرج تمام پیشگوئیاں نعوذ باللہ بیکار اور بے ضرورت ہیں۔ اس کے برعکس ہمارا ایمان ہے کہ فرموداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کے بعد مسلمانوں کا سب سے قیمتی سرمایۂ حیات ہیں اور قرآن کی حقیقی اور سچی معرفت سنّت اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ تمام بنی نوعِ انسان سے بڑھ کر معارفِ قرآنی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی کھولے گئے اور آپؐ قولاً اور فعلاً قرآنِ کریم کی ایک زندہ تفسیر تھے۔ جھوٹا اور شیخی خورہ ہے وہ شخص جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی مدد یا آپؐ کی قوّتِ قدسیہ کے فیض کے بغیر کوئی شخص معارفِ

قرآنی کو پا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی شخص آپؐ کی کامل متابعت کے بغیر جس کا علم قرآن کریم کے بعد سنّت اور حدیث سے ہی مل سکتا ہے۔ معرفت کے ادنیٰ درجوں تک بھی پہنچ سکے۔ دیکھئے آپ کے سرتاپا فدائی غلام حضرت مرزا غلام احمد فرماتے ہیں :۔

"ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراطِ مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ راہ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتداء اس امام الرسلؐ کے حاصل ہو سکیں کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزّت اور قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔"

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۷۰)

اور پھر فرماتے ہیں :۔

"اور کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ ہر اس بات کی پیروی نہ کرے جو ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہے اور جو شخص آپ کے احکام میں سے ذرّہ بھر بھی ترک کرتا ہے وہ تباہی کے گڑھے میں گرتا ہے۔"

(ترجمہ از مواہب الرحمٰن روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۸۷)

لیکن اس کے باوجود جماعتِ احمدیہ اس اَمر سے بھی انکار نہیں کرتی کہ بہت سی وضعی حدیثیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے کے بعد بنائی گئیں اور بہت سی ایسی باتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسُوب کی گئیں جو آپؐ نے نہیں فرمائی تھیں۔ پس مقامِ احتیاط ضرور ہے۔ مبادا ہم اپنے آقاؐ کے نام پر کوئی ایسی بات قبول کر لیں۔ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہی نہ ہو اور کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ کے خلاف ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ کسی حدیث کو ردّ کرنے میں ہرگز جلدی نہ کی جائے۔ ورنہ یہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی

کے مترادف ہوگا۔ بلکہ اگر کوئی حدیث بظاہر قرآن کریم کی مخالف نظر آئے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ پہلے اپنی خداداد فہم کے مطابق اس حدیث اور قرآن کریم میں مطابقت پیدا کرنے کا راستہ تلاش کرے۔ پھر اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس بنیادی غیر متزلزل اصول کے پیش نظر کہ یہ ناممکن ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول واضح طور پر قرآن کریم کے مخالف ہو اُس حدیث کو وضعی اور غلط سمجھ کر ردّ کر دے۔ دیکھئے اس بارہ میں ہمارے امام حضرت مرزا غلام احمد نے ہمیں کیسی پیاری اور پاکیزہ تعلیم دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنّت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اُس پر وہ عمل کریں۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ یاد رکھیں کہ ہماری جماعت بہ نسبت عبداللہ کے اہلحدیث سے اقرب ہے اور عبداللہ چکڑالوی کے بے ہودہ خیالات سے ہمیں کچھ بھی مناسبت نہیں۔ ہر ایک جو ہماری جماعت میں ہے۔ اسے یہی چاہیئے کہ وہ عبداللہ چکڑالوی کے عقیدوں سے جو حدیثوں کی نسبت وہ رکھتا ہے بدل متنفر اور بیزار ہو۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صــ ۲۱۲۔۲۱۳)

نوٹ :۔ یہ چھوٹا سا رسالہ اہلِ قرآن اور اہلِ حدیث کے اختلافات پر ایک شاہکار تنقید کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر دو فرقوں کی راہنمائی کے لئے ایک بے مثل مضمون ہے۔

مندرجہ بالا ارشاد میں عبداللہ چکڑالوی کے جن خیالات سے نفرت کا اظہار کیا گیا ہے وہ یہ تھے کہ (نعوذ باللہ) تمام احادیث نبویؐ سخت ناقابلِ اعتماد ہیں اور اس قابل ہیں کہ یک دفعہ ردّی کی ٹوکری میں پھینک دی جائیں۔ یہ ایک ایسا باطل اور گستاخانہ خیال ہے کہ اہلِ حدیث اور جماعتِ احمدیہ پر ہی کیا موقوف، ہر مسلمان خواہ اہلسنّت سے تعلق رکھتا ہو، یا اہلِ تشیّع سے اس ناپاک خیال کے مُنہ پر ہزار بار تھوکے گا۔

اِس مختصر ضمنی بحث کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہیں کہ مسیح ابن مریمؑ کے نزول کے بارہ میں جو بکثرت روایات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہیں وہ اس انکشاف کی روشنی میں کہ مسیح ابن مریمؑ فوت ہو چکے کیا حیثیت رکھتی ہیں؟

پہلی بات قابلِ غور یہ ہے کہ یہ احادیث اس کثرت سے متصل مرفوع طریقوں سے اور نہایت ثقہ راویوں سے مروی ہیں کہ کوئی انسان جو علمِ حدیث کا سرسری سا بھی علم رکھتا ہو ہرگز ان کے انکار کا وہم دل میں نہیں لا سکتا۔ امام بخاریؒ نے بھی انہیں نقل فرمایا ہے۔ اور مُسلم نے بھی۔ اسی طرح مُستند سُنّی کتب نے بھی ان کی روایات کی ہیں۔ اور شیعہ کتب نے بھی۔ غرضیکہ محدثین کا کوئی گروہ ایسا نہیں جس نے امتِ محمدیہ میں مسیح ابن مریمؑ رسُول اللہ کے نازل ہونے کی خبر نہ دی ہو۔

دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ کثرت سے صحیح متصل مرفوع احادیث میں نزولِ مسیح کا ذکر ہے۔ ایک بھی ایسی حدیث خواہ کیسی ہی کمزور اور ضعیف ہی کیوں نہ ہو نہیں پائی جاتی۔ جس میں مسیح ناصری علیہ السّلام کے زندہ جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ہو۔ یا آسمان سے جسم سمیت آپ کے نازل ہونے کی خبر دی گئی ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت میرزا غلام احمد صاحب کا چیلنج اور مشہور محدّث ابنِ حزمؒ کا حوالہ گذر چکا ہے۔

اس معمے پر جب اس حقیقت کی روشنی میں نظر ڈالیں کہ قرآن کریم اور احادیث غیر مشکوک الفاظ میں مسیح ناصری علیہ السّلام کے وفات پا جانے کی اور ہمیشہ کے لئے اس دُنیا سے رخصت ہو جانے کی خبر دے رہے ہیں۔ تو فوراً ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ لازماً اس صورت میں جس مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی اور شخص ہو گا اور یہ محض ایک صفاتی نام ہے لیکن اس خیال کی راہ میں دو روکیں حائل ہیں جب تک اُن کا حل نہ ہو جائے اس پر پوری تسلی نہیں ہو سکتی۔

پہلی روک اور اُس کا حل

پہلا سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ مختلف زبانوں کے محاورہ میں تو ایسی مثالیں عام ملتی ہیں کہ کسی دوسرے

شخص کو ایک نام اس کی کسی مشابہت کی وجہ سے دے دیا گیا۔ جیسے سخی آدمی کو حاتم طائی یا عقلمند کو افلاطون کہدیتے ہیں۔ لیکن کیا مذہب کی تاریخ میں بھی اس کی کوئی مثال ہے کہ کسی خاص نبی کے آنےکی پیشگوئی ہو مگر اس کی بجائے اس کے رنگ میں رنگین ہو کر کوئی اور آجائے۔

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں کسی خاص تردّد کی ضرورت نہیں کیونکہ حُسنِ اتفاق یا تصرفِ الٰہی سے خود حضرت مسیح ناصریؑ کی گواہی اس بارہ میں موجود ہے کہ مذہبی دُنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ بائیبل کے نئے عہد نامہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السّلام نے دعویٰ کیا تو یہود علماء آپ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ آپ مسیحؑ کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ مسیحؑ سے قبل ایلیاؑ نبی کے آنے کی پیشگوئی ہے جو آکر مسیحؑ کے آنے کی منادی کریگا لیکن حضرت مسیح ناصری علیہ السّلام نے فرمایا۔ کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا یعنی حضرت یحیٰی ہی وہ ایلیا نبیؑ ہیں جن کی آپ سے پہلے آنے کی خبر دی گئی تھی۔ یہود علماء یہ سُن کر ہکا بکا رہ گئے ہوں گے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیشگوئی میں تو لکھا ہو کہ ایلیاؑ نبی آئے گا۔ اور آجائے یحییٰؑ[1] دونوں نام تو بالکل مختلف ہیں۔ مزید برآں اُن کے والدین کے نام بھی الگ الگ تھے۔ جس سے ان کا شک اور بھی بڑھ گیا ہوگا چنانچہ یہودی علماء کے انکار کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ حضرت مسیحؑ کی یہ "تاویل" ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے کہ ایلیاؑ کے آنے کی پیشگوئی یوحنا یا بالفاظ دیگر حضرت یحییٰؑ کے آنے سے پوری ہوگئی۔ ظاہر بات ہے کہ یہود علماء نے محض اپنی ظاہر پرستی اور سخت دلی کی وجہ سے ٹھوکر کھائی اور ایک سچے رسول کا انکار کر بیٹھے ورنہ وہ ذرا بھی جی میں غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ روز مرّہ کی زندگی میں وہ خود بھی مثالی طور پر ایک کا نام دوسرے کو دیتے رہتے ہیں۔ پھر اگر کسی نبی نے ایسا کر دیا تو کیا اندھیر آگیا۔

---

[1] :۔ متی باب ۱۱۔ آیت ۱۴ و متی باب ۱۷۔ آیات ۹ تا ۱۳ ؎

یہود ہی کا ذکر نہیں دنیا کی ہر قوم کی زبان میں محاورۃً ایک کا نام دوسرے کو دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم خود بھی آئے دن ایسا کرتے رہتے ہیں۔ لیکن کیا کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ جب کوئی کہے کہ " وہ حاتم طائی آگیا"۔ تو کیوں ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ ہو نہ ہو یہ وہی حاتم طائی ہے جو ایک زمانہ گذرا عرب میں پیدا ہُوا تھا۔ یہ خیال اس لئے ہمارے ذہن میں نہیں آتا کہ ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ پرانا حاتم طائی تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے جزیرۂ عرب میں فوت ہو چکا ہے۔

پس اَب جبکہ اس مسئلہ کی خوب چھان بین کر کے قرآن وحدیث، بائبل اور عقل کا ناطق فیصلہ سُنایا جا چکا ہے۔ کہ پہلے مسیح ابن مریمؑ یقیناً فوت ہو چکے اور اس مقدس نبی کی رُوح کا رفع الی اللہ بھی ہو گیا تو اب تو کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہنی چاہیئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم آنیوالے امام کو استعارۃً مسیح ابن مریمؑ کہہ رہے ہیں حقیقی طور پر نہیں لیکن ابھی اس سوال پر غور کرنا باقی ہے۔ کہ اُمّتِ محمدیہ میں پیدا ہونیوالے مصلحِ ربّانی کو ابن مریمؑ کا نام کیوں دیا گیا؟ اسکی بہت سی وجوہات ہیں۔ جن میں سے بنیادی وجہ وہی ہے جس کی طرف خود حدیث کے الفاظ توجّہ دلا رہے ہیں۔ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آنیوالے کے دو کام یہ بیان فرمائے ہیں کہ:۔

یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسٰی بن مریم صلّی اللہ علیہ وسلّم)

کہ وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں فِتنے عیسائیت کے فِتنے ہیں۔ پس چونکہ آنے والے موعود نے عیسائیت کے فتنہ کے خلاف عظیم الشّان جہاد کرنا تھا۔ اور بڑی تعداد میں عیسائی نومسلموں کا امام اُسے بننا تھا۔ اس لئے اس نسبت سے اُسے مسیح ابن مریمؑ کا نام دیا گیا جس میں لطیف اشارہ اس بات کا بھی پایا جاتا ہے کہ اصل مسیح ابنِ مریمؑ کا مذہب بگڑی ہوئی صلیبی عیسائیت کے بالکل خلاف تھا۔ چنانچہ اس کی خُوبُو

اور نام پر آنے والے امام کے لئے مقدّر ہوا کہ بگڑی ہوئی عیسائیت کے خلاف جہاد کر کے پہلے مسیحؑ پر سے بھی اس الزام کی نفی کر دے۔

دوسری روک اور اس کا حل

دوسری روک یہ ہے کہ جس مسیحؑ کے آنے کی خبر دی گئی ہے اس کے متعلق نازل ہونے کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اور نازل ہونے سے تو یہی مراد ہوتی ہے کہ کوئی چیز اُوپر سے نیچے کو آئے پھر کیا اس سے اس خیال کو تقویت نہیں ملتی کہ حضرت مسیحؑ آسمان سے جسم سمیت نیچے اتریں گے؟

اس سوال کے کئی جواب ہیں لیکن سب سے پہلے ہم خود حضرت مسیحؑ ہی سے پوچھ کر دیکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک نازل ہونے سے کیا مراد ہے یہ کچھ مشکل نہیں کیونکہ حضرت مسیحؑ کا فتویٰ اس بارہ میں پہلے ہی سے موجود ہے چنانچہ ایلیا نبی جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے یہود کے نزدیک جسم سمیت آسمان پر بیٹھے ہُوئے تھے اور پہلے نبیوں کی پیشگوئی تھی کہ وہ حضرت مسیحؑ سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے۔ جب حضرت مسیحؑ نے یہود علماء کو بتایا کہ جس ایلیاء کے آسمان سے نازل ہونے کی خبر دی گئی تھی وہ ایلیاؑ یوحنّا بپتسمہ دینے والا ہی ہے تو ان کو صرف یہ اعتراض ہی پیدا نہیں ہوا کہ یوحنّا کا نام ایلیا سے مختلف تھا بلکہ بشدّت یہ اعتراض بھی پیدا ہوا کہ ایلیاؑ نے تو آسمان سے اُترنا تھا لیکن یہ یوحنّا تو زمین سے ہی پیدا ہوا اور یہیں ہمارے سامنے کھاتا پیتا بڑا ہوا ہے۔ پس اس یوحنّا کو وہ ایلیاؑ بتانا جس نے آسمان سے اُترنا تھا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اب مَیں اپنے کرم فرما علماء سے پوچھتا ہوں کہ ذرا تسلّی سے خوب غور کے بعد جواب دیں کہ اس بحث میں یہوُد سچے تھے یا حضرت مسیح علیہ السّلام۔ ایک دفعہ پھر غور سے بحث سُن لیجئے۔

حضرت مسیحؑ کا نظریہ

حضرت مسیح ناصری کہتے تھے کہ جس ایلیا نبیؑ کی آسمان سے نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے وہ یوحنّا بپتسمہ دینے والا ہی ہے۔

اگرچہ اس کا نام بھی ایلیاؑ سے مختلف ہے اور وہ آسمان سے جسم سمیت بھی نہیں اُترا۔ مگر ہے یہ وہی۔

یہوُد کا نظریہ

یہوُد کا نظریہ اس کے برعکس یہ تھا کہ صحفِ گذشتہ میں ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی تھی جس نے آسمان سے جسم سمیت نازل ہونا تھا۔ پس ہم یہ ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے کہ "یوحنا" جس کا نہ تو نام ایلیاؑ ہے نہ وہ آسمان سے اُترا ہے وہی ایلیا نبی ہو۔ جس کے آسمان سے اُترنے کی خبر دی گئی تھی۔

میری درخواست ہے کہ ہمارے مخالف علماء ذرا فتویٰ صادر فرمائیں کہ اس اختلاف میں کون سچا تھا۔ اگر حضرت مسیح ناصریؑ سچے تھے جیسا کہ ظاہر بات ہے کہ وہی سچے تھے تو پھر حضرت مرزا غلام احمد یہی بات کہہ کر جھوٹے کیسے ہو گئے؟ آپ بھی تو یہی فرماتے ہیں کہ مسیح ابن مریمؑ جس کے نازل ہونے کی خبر دی گئی تھی وہ پُرانے مسیح نہیں بلکہ اُمّتِ محمدیہ میں ہی سے ایک شخص کو مثالی طور پر یہ نام دیا جانا تھا۔ اور اُن کے آسمان سے اُترنے سے مراد صرف یہی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے مبعوث ہوں گے از خود اپنی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں کریں گے۔ پس اب علماء کے پاس سوائے اس کے چارہ نہیں رہا۔ کہ اگر مسیحؑ محمدی کا انکار کرنا ہے تو مسیح ناصریؑ کا بھی ساتھ ہی انکار کریں۔

لفظ "نزول" اور قرآن کریم

حضرت مسیح ناصریؑ کا فیصلہ پیش کرنے کے بعد اب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ یہ اس لفظ کو کن معنوں میں استعمال فرماتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہمیں حضرت مسیح ناصریؑ کے فیصلے سے کیا غرض ہم کتاب اللہ کے فیصلے کو ہی تسلیم کریں گے۔

(۱) سورۃ الذمر آیت ۷ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَنْزَلَ لَکُمْ الْاَنْعَامَ

یعنی خدا تعالیٰ نے تمہاری خاطر چوپایوں کو نازل فرمایا۔ اب قارئین ذرا غور فرمائیں کہ کیا گائیں، بھینسیں اور بھیڑ بکریاں آسمان سے اُترا کرتی ہیں؟

(ب) سورۃ حدید آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ

ہم نے لوہا نازل کیا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ لوہا زمین کھود کر نکالا جاتا ہے آسمان سے نہیں اُترتا۔

(ج) سورۃ اعراف آیت ۲۷ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا

یعنی ہم نے تمہاری خاطر لباس نازل کیا۔ اب فرمائیے کہ کیا کبھی قمیص، شلوار، کوٹ پتلون ٹوپی۔ پگڑی وغیرہ کو بھی بارش اور اَولوں کی طرح آسمان سے برستے دیکھا ہے؟

ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ لفظِ نزول اُن اشیاء یا جانداروں کے لئے استعمال فرماتا ہے جن کے وجود سے بنی نوعِ انسان کو بڑے بڑے فائدے حاصل ہوں۔ لیکن ان سب مثالوں سے بڑھ کر یہ آخری مثال قابلِ غور ہے کہ خود ہمارے آقا و مولیٰ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے لفظِ نزول استعمال فرمایا۔ دیکھئے:۔

(د) سورۃ طلاق آیت ۱۱، ۱۲ میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ....

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان نصیحت کرنے والا رسُول نازل کیا ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سُناتا ہے۔

کیا اس کے بعد کسی مزید دلیل کی ضرورت رہتی ہے کہ نازل ہونے سے مراد آسمان سے

جسم سمیت اُترنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہے۔ یا علماء اس جگہ بھی مسیح ناصریؑ سے استثنائی سلوک فرمائیں گے۔ اور اصرار کریں گے کہ جب نازل ہونے کے الفاظ حضرت سیدِ وُلدِ آدم کے متعلق استعمال ہوں تو مراد آسمان سے اُترنا نہیں ہوتی۔ ہاں جب مسیح ناصریؑ کے حق میں یہ الفاظ استعمال ہوں تو بے شک جسم سمیت آسمان سے اُترنا مُراد ہوتی ہے۔ خواہ آسمان کا لفظ موجود ہو یا نہ ہو۔ اس کا جواب مَیں سوائے اس کے اور کیا دے سکتا ہوں کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ! آخر کب تک تم اپنے آقا سرورِ کائنات فخرِ دو عالمؐ سے یہ سراسر نا انصافی کا سلوک روا رکھو گے!!!

دل کی پُوری تسلّی

اس رسالہ کے بعض پڑھنے والے جائز طور پر یہ سوال کر سکتے ہیں کہ گو دلائلِ عقلی و نقلی سے یہ تو ثابت ہو چکا کہ مسیح ناصری علیہ السّلام فوت ہو چکے اور جس مسیح ابنِ مریمؑ کے آنے کی خبر دی گئی تھی۔ اس نے مثالی طور پر یہ نام پا کر اُمتِ محمدیہ میں ہی پیدا ہونا تھا لیکن دل کی پوری تسلّی کی خاطر اس بات کا بھی کچھ ثبوت مہیا کیا جائے کہ خود حضرت رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں واضح طور پر یہ بات موجود تھی کہ آنیوالا مسیح موعودؑ اور گذرا ہوا مسیحؑ دو الگ الگ وجود ہیں۔ ایسے منصف مزاج حضرات کی مزید تسلّی کی خاطر دو بڑے واضح ثبوت اس بات کے حق میں پیش کرتا ہوں۔

اوّل:۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ عزّ وجل واذکر فی الکتاب مریم اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا۔ میں یہ حدیث درج ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”رَاَیْتُ عِیْسٰی وَمُوْسٰی فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ فَاَمَّا مُوْسٰی فَاٰدَمُ جَسِیْمٌ سَبْطُ الشَّعْرِ کَاَنَّہٗ مِنْ رِجَالِ الزُّطِّ۔“

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ مَیں نے عیسیٰؑ اور موسیٰؑ کو دیکھا۔ عیسیٰؑ تو سُرخ رنگ کے تھے اور ان کے بال

گھونگریالے اور سینہ چوڑا تھا۔ لیکن موسیٰؑ گندم گوں رنگ کے اور بھاری جسم والے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی زُط قبیلہ کا شخص ہو۔

اب اس حُلیے کو خوب یاد رکھیئے اور بخاری شریف ہی کی ایک دوسری حدیث دیکھئے جس میں آنے والے مسیحؑ کا حلیہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اس سے بالکل مختلف بیان فرماتے ہیں۔ یہ حدیث کتاب الفتن میں ذکرِ دجّال کے باب میں درج ہے اور اس میں دجّال کا بھی ذکر ہے اور اس مسیح ابنِ مریمؑ کا بھی ذکر ہے جس نے دجّال کو قتل کرنا تھا۔ آپؐ فرماتے ہیں:۔

"بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ فَاِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ...... فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا ابْنُ مَرْيَمَ"

ترجمہ:۔ مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔ اس وقت اچانک ایک شخص میرے سامنے آیا۔ جو گندم گوں رنگ کا تھا اور اس کے بال سیدھے اور لمبے تھے ..... مَیں نے پوچھا یہ کون ہے تو مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح ابنِ مریمؑ ہے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر کتنی وضاحت کے ساتھ یہ معاملہ روشن فرما دیا کہ موسیٰؑ والے عیسیٰؑ کی شکل اور تھی لیکن وہ مسیح ابنِ مریمؑ جس نے امّت محمدیہ میں آنا ہے۔ اور دجّال کا قلع قمع کرنا ہے اس کی شکل اور ہوگی۔ بنی اسرائیل کے عیسیٰ علیہ السّلام کا حلیہ یہ بیان فرمایا کہ سُرخ رنگ اور گھنگریالے بال تھے لیکن آنے والے مسیح ابنِ مریم کا رنگ گندمی (جیسے ہمارے ملک کا سفید رنگ ہوتا ہے) اور بال سیدھے اور لمبے بتائے اور اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیسے معلوم ہؤا کہ ان دونوں میں سے پہلے حضرت مسیح ناصری علیہ السّلام تھے اور دوسرے آنے والے مسیحؑ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

اوّل:۔ اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ عیسیٰؑ اور مسیح ابنِ مریمؑ کے نام رکھنے والے جن دو شخصوں کو آپؐ نے عالمِ کشف و رؤیا میں دیکھا۔ اُن کی شکل بالکل مختلف

تھی۔ پس یہ بات تو بہر حال ثابت ہوگئی۔ کہ مسیح کا نام پانے والے دو الگ الگ اشخاص ہیں۔ نام بظاہر ایک ہے لیکن جسم اور شکلیں الگ الگ۔

دوم :۔ اب صرف یہ سوال حل طلب رہ جاتا ہے۔ کہ دونوں میں سے پہلے کون تھے اور آنے والے کون۔ لیکن اگر دوست ذرا بھی دونوں حدیثوں کے الفاظ پر غور فرمائیں تو اس سوال کا جواب ان پر خود ہی روشن ہوجائے گا۔ پہلی حدیث میں جس بزرگ کو عیسیٰؑ فرمایا گیا ہے ان کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہی عیسیٰؑ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ دوسری حدیث میں جس بزرگ کو مسیح ابنِ مریمؑ فرمایا گیا۔ اس میں آنے والے زمانے کے فتنوں اور ان کے سدّباب کا ذکر ہے۔ چنانچہ ساتھ ہی دجّال کا ذکر بھی موجود ہے جس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آنے والے زمانہ کی بات ہو رہی ہے۔ پس پہلی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری بعد کے زمانہ سے جس میں دجّال نے بھی ظاہر ہونا تھا اور اس کا سر کچلنے کے لئے ایک ابنِ مریم نے بھی آنا تھا۔

سوم :۔ بخاری شریف کی وہ حدیث جس میں واضح طور پر امتِ محمدیہ میں ایک مسیح ابن مریمؑ کے مبعوث ہونے کی پیشگوئی ہے۔ اس کے الفاظ غیر مشکوک طور پر بتاتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آنے والے وجود نے آپؐ کی امت میں سے ہی پیدا ہونا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا :۔

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ۔

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسٰی بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ :۔ تمہارا کیا حال ہوگا اس وقت جب ابنِ مریم تمہارے اندر مبعوث ہوگا۔ اور وہ تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔

یہ آخری الفاظ "اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ" "یعنی تمہارا امام تم ہی میں سے" اس جھگڑے کا فیصلہ ہی چکا دیتے ہیں۔ اور صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم امت ہی میں پیدا ہونے والے کسی امام کی خبر دے رہے ہیں۔ باہر سے آنے والے کی نہیں ورنہ تمہارا امام تم ہی میں سے ہرگز نہ فرماتے۔ بلکہ کچھ اس قسم کے الفاظ میں یہ خبر دیتے کہ ابنِ مریم جو بنی اسرائیل کا رسول تھا آسمان سے تمہارا امام بن کر نازل ہوگا۔

امام مہدیؑ اور ابنِ مریمؑ کیا الگ الگ وجود ہیں

اس فیصلہ کے بعد کہ بنی اسرائیل کے رسول عیسیٰ علیہ السلام یقینی طور پر فوت ہو چکے اور امتِ محمدیہ میں آنے والے امام کو یہ نام مثالی طور پر خطاب کے رنگ میں دیا جانا تھا۔ یہ سوال بھی دل میں پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں یہ خطاب حضرت امام مہدیؑ ہی کو دیا جائے گا یا کسی اور شخص کو۔ بظاہر عقل تو یہی فیصلہ کرتی ہے کہ حضرت امام مہدیؑ کو ہی یہ خطاب ملنا چاہیئے۔ کیونکہ امتِ محمدیہ میں ان سے بڑھ کر بزرگ اور کون ہوگا جو اس عالی شان خطاب کے لائق ہو۔ نیز ایک دوسری حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آنے والے کو نبی اللہ[1] بھی فرمایا ہے۔ پس اور بھی زیادہ ذہن اس طرف مائل ہو جاتا ہے کہ اس عالی شان خطاب کے لائق امام الزمان حضرت امام مہدیؑ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور کوئی نہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس خیال کی تائید میں حدیث شریف میں کوئی اشارہ پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اس پہلو سے جب ہم احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اشارۃً تو الگ رہا بالکل واضح الفاظ میں بعض احادیث یہ خبر دیتی نظر آتی ہیں۔ کہ امام مہدیؑ ہی عیسیٰ ابنِ مریم کے لقب سے پکارے جائیں گے کوئی دوسرا

---

[1] : مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال وصفتہ میں چار مرتبہ آنیوالے عیسیٰ کو نبی اللہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

شخص نہ ہوگا۔ چنانچہ دیکھئے مسند احمد بن حنبلؒ کی یہ حدیث :۔

يُوْشِكُ مَنْ عَاشَ فِيْكُمْ اَنْ يَّلْقٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِمَامًا مَهْدِيًّا وَحَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ....

(جلد ۲ صـ۴۱۱) ....

یعنی جو تم میں سے اس وقت زندہ ہوا وہ عیسٰی ابنِ مریمؑ کو پائے گا جو امام مہدیؑ اور حَکَم عدل ہوں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔

مسند احمد بن حنبل کی اس حدیث کے بعد ابن ماجہ کی اس حدیث پر بھی غور فرمائیے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

لَا الْمَهْدِيُّ اِلَّا عِيْسٰى

(ابن ماجہ ابواب الفتن باب شدۃ الزمان)

کہ عیسٰی کے سوا اور کوئی مہدی نہیں۔

پس یہ دونوں احادیث اشارہ ہی نہیں کر رہیں بلکہ واضح الفاظ میں بیان فرما رہی ہیں کہ عیسٰی ابن مریمؑ کا لقب حضرت امام مہدیؑ ہی کو عطا ہوگا ان کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کو اس لقب سے نہیں نوازا جائے گا۔ دیکھئے یہ احادیث عقل کے اس تقاضا کی کیسی پُر زور تائید کر رہی ہیں کہ ایک وقت میں ایک ہی امام مبعوث کیا جانا چاہیئے جس کے ہاتھ پر ساری اُمت کو اکٹھا ہونے کی دعوت دی جائے۔ پھر اس کے مختلف کاموں اور حیثیتوں کے پیش نظر خواہ اسے ایک دو نہیں دس بیس خطابات سے بھی نوازا جائے تو کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ لیکن یہ امر واقعی امت کو سخت فتنے میں مبتلا کرنیکا موجب ہو سکتا ہے کہ ایک ہی زمانہ میں ایک شخص کو تو امام مہدی کا لقب دے کر امت کا امام مقرر کر دیا جائے اور دوسرے کو عیسٰے نبی اللہ کا خطاب عطا فرما کر اور "اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ"

کہ کر اس کی بیعت پر بھی مجبور کر دیا جائے۔ لیکن ہمیں اب ان توہمات میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مذکورہ ارشادات نے معاملہ بالکل واضح کر دیا۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت امام بخاری اور امام مُسلم علیہما الرحمۃ نے صرف مسیح ابنِ مریمؑ کی آمد کا باب ہی باندھا ہے۔ امام مہدی کی آمد کا کوئی الگ باب نہیں باندھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان ائمہ کرام کے نزدیک بھی ایک ہی شخص نے آنا تھا۔ ورنہ وہ حضرت مسیحؑ کی آمد کا باب الگ باندھتے اور امام مہدی کی آمد کا الگ۔

ایک وہم کا ازالہ

ابھی ذکر گذرا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کو نبی اللہ کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے کسی دل میں یہ وہم پیدا ہو کہ کہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ قول آیت خاتم النّبییّن کے مفہوم کے مخالف تو نہیں؟ یہ ایک مستقل سوال ہے جس کا جواب انشاءَ اللہ ایک علیٰحدہ رسالے کی صورت میں احباب کی خدمت میں پیش کیا جائیگا۔ فی الحال اختصاراً اتنا عرض کروں گا کہ آیت خاتم النّبییّن جس مقدس وجودؐ پر نازل ہوئی اس سے بہتر اور کون اس کے مفہوم کو سمجھتا تھا؟ پس اگر اس آیت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم آنے والے امام کو نبی اللہ کا خطاب دیتے ہیں تو اس کے خلاف احتجاج کرنے کی کسے مجال ہے؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ اس کی بدنصیبی۔ ہمارا مذہب تو سیدھا اور صاف یہی ہے کہ:۔

بہ مے سجّادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

کہ اگر پیرِ مُغاں یہ اذن دے کہ جائے نماز کو شراب سے رنگ دو۔ تو ایسا ہی

کرو۔ کیونکہ راہِ سلوک پر قدم مارنے والا منازل کی راہ ورسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر راہِ سلوک اور معارف قرآنی کا رازدان اور کون ہے!!! پس اگر آپ کے نزدیک آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہنا آیت خاتم النبیین کے مخالف نہیں تھا تو آج آپؐ کے ادنیٰ غلاموں کو کب زیبا ہے کہ ایسا کہیں۔

حرفِ آخر

عمر طبعی پانے کے بعد جو مختلف ممالک اور مختلف زمانوں کے لحاظ سے کچھ کم و بیش ہو سکتی ہے۔ ہر انسان کا آخر ایک دن مر جانا ایک ناگزیر امر ہے جس سے کوئی مَفر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ہمیں یہ ثابت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ فوت ہو چکے۔ اسی طرح کرشنؑ اور زرتشتؑ اور کنفیوشسؑ اور بُدھؑ کی موت پر بھی ہم کبھی شبہ نہیں کرتے کیونکہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی غالب تقدیر کا ہاتھ سب پر یکساں چلتا ہے۔ اور بڑا ہو یا چھوٹا بادشاہ ہو یا گداگر۔ نبی ہو یا غیر نبی۔ آخر ایک دن اپنی طبعی زندگی کے دن پورے کر کے سبھی کو مَر جانا ہے۔ اس پہلو سے ضرورت تو نہ تھی کہ حضرت مسیح ناصریؑ کی وفات کو ثابت کیا جاتا۔ بلکہ بارِ ثبوت کو مدعی پر چھوڑ دینا ہی کافی تھا کہ جب تم حضرت مسیح ناصریؑ کے زمانے کے تمام دوسرے انسانوں کو فوت شدہ تسلیم کرتے ہو تو کس قطعی

دلیل کی بناء پر حضرت مسیحؑ کو آج تک زندہ تسلیم کیئے جا رہے ہو۔ کہاں قرآن کریم میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے سوا تمام دوسرے نبی فوت ہو گئے اور کس حدیث نے خبر دی ہے کہ حضرت نوحؑ سے بڑی عمر پانے والا بھی ایک نبی گذرا ہے۔ جسے دو ہزار برس سے اُوپر زندگی عطا کی جائے گی۔ پس جب قرآن و حدیث حضرت مسیح ناصریؑ کی زندگی کی کوئی خبر نہیں دیتے اور عقل بتا رہی ہے کہ اس زمانے کے سب انسان فوت ہو چکے تو ضرورت تو نہ تھی۔ کہ حضرت مسیحؑ کی وفات پر اس قدر دلائل اکٹھے کیئے جاتے مگر افسوس کہ ہمیں محض اس لئے ایسا کرنا پڑا ہے کہ آج لاکھوں کروڑوں ایسے مسلمان موجود ہیں جو اس سراسر خلافِ عقل اور خلافِ قرآن و حدیث عقیدہ کے قائل ہیں اور نہیں جانتے کہ اس باطل عقیدہ کو تسلیم کرنے سے وہ اسلام کے پاکیزہ اور روشن چہرے کو داغدار کر رہے ہیں۔ اور غیر شعوری طور پر حضرت عیسیٰ کو مافوق البشر طاقتیں بخش کر ان کی خدائی ثابت کرنے میں عیسائیوں کے ممد و معاون بن رہے ہیں۔

پس مَیں ایسے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے التماس کرتا ہوں کہ ٹھنڈے دل اور انصاف کے ساتھ ان دلائل پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور صراطِ مستقیم کی طرف آپ کی راہنمائی فرمائے۔ سُنیئے مَیں اس خدا کو گواہ ٹھہرا کر کہتا ہوں جو زمین و آسمان کا حیّ و قیّوم خدا ہے۔ اور موت و حیات کا بھی وہی خالق و مالک ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ بھی دوسرے تمام انبیاءؑ کی طرح طبعی وفات پا کر اس دارِ فانی سے گذر گئے! اور جس نے ان کے رنگ میں رنگین ہو کر ابن مریمؑ کا نام پا کر اُمتِ محمدیہ میں آنا تھا وہ آچکا اور اب کوئی اور نہیں آئے گا۔ پس ان دلائل کو سُننے کے بعد بھی اگر آپ آسمان سے جسم سمیت اُترنے والے اس مسیحؑ کے انتظار ہی کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں جسے وفات پائے ہُوئے کم و بیش ۱۹۰۰ برس گذر چکے تو شوق سے ایسا

کیجئے۔ مگر یاد رکھیئے کہ آپ اسے کبھی آسمان سے اُترتا نہیں دیکھیں گے۔ آپ کی متلاشی نگاہیں ہزار بار آسمان کی بے حد و بست پہنائیوں میں بے سروپا گھومتی ہوئی تھکی ہوئی اور مضمحل آپ کی طرف لوٹ آئیں گی مگر مسیح ناصریؑ کا کبھی کوئی نشان نظر نہ آئے گا۔

کاش مایوسی کے اس تاریک عالم میں آپ کا ذہن اُمید کی اس روشن کرن کی طرف منتقل ہو جائے جو قادیان کی ایک گمنام بستی سے پھوٹی تھی اور آج جس کی روشنی زمین کے کناروں تک جا پہنچی ہے۔ کاش آپ کے کان اس آسمانی آواز کو سُنیں جس نے آج سے اسّی برس پہلے ببانگِ دہل یہ اعلان کیا تھا کہ وہ مسیحؑ جو بنی اسرائیل کی طرف رسُول بنا کر بھیجا گیا تھا اپنی زندگی کے دن پُورے کر کے بقضائے الٰہی فوت ہو چکا اور آج نہ تو وہ خود زندہ ہے نہ اس کا دین ہی زندہ ہے۔ ہاں قیامت تک اب صرف ایک ہی رسُول زندہ رہے گا۔ اور وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سیّد وُلدِ آدم کے سوا اور کوئی نہیں۔ آپؐ کے فیض کا سرچشمہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور قیامت تک اَن گِنت مُردہ روحوں کو نئی زندگی بخشتا رہے گا۔ وہ اپنی امّت کی اصلاح کے لئے کسی پُرانے رسُول کی مدد کا محتاج نہیں۔ ہاں تمام گزشتہ رسولوں کی اُمتیں آسمانی ہدایت کی بھیک مانگتی ہوئی خود اس کی چوکھٹ پر آئیں گی۔ اور اپنی تہی دامنی کا رونا روتی ہوئی اس سے خیرات کی طالب ہوں گی۔ اس کے غلاموں ہی میں وہ مہدی اور مسیحؑ پیدا ہوں گے جو نورِ محمدی سے زمین کو کناروں تک روشن کر دیں گے اور جن کے جاہ و جلال کی ہیبت سے مشرک دلوں میں شرک کے بُت ٹوٹنے لگیں گے اور صلیبیں پارہ پارہ ہو جائیں گی۔

کاش آپ اس آواز کو سُنیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوں! کاش آپ آنکھیں کھول کر اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ وہ مسیحؑ جس کا وعدہ دیا گیا تھا وہ تو آچکا اور خوشا مژدہ کہ وہ حضرت احمدِ مرسلؐ کے غلاموں ہی میں سے آیا اور امّتِ محمدیہ

بنی اسرائیل کے ایک نبی کا ممنون احسان ہونے سے بچ گئی۔ دیکھئے کہ آنے والے کا تو نام بھی "غلامِ احمدؐ" ہے۔ اور اس کے سب کام بھی حضرت احمدِ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے راگ الاپ رہے ہیں۔ اسلام کو ازسرِ نَو زندہ کرنے اور تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرنے کی وہ عظیم الشان تحریک جو خدا تعالیٰ کے اِذن سے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے ہاتھوں جاری ہوئی آج تمام دُنیا میں پھیل چکی ہے اور مشرق و مغرب میں تبلیغ اسلام کا ایک وسیع جال پھیلایا جا چکا ہے۔ عظیم روکوں اور خطرناک مشکلات کے باوجود احمدیہ جماعت ہر گام پر جانی اور مالی قربانی کی شاندار مثالیں قائم کرتی ہوئی اپنے مقصد کی طرف بڑھی چلی جا رہی ہے۔ کون ہے جو اس کے قدم تھامے اور کون ہے آپ جو عیسائی دنیا میں اسلام کے پھیلاؤ کو روک سکے۔ پس اے میرے مسلمان بھائیو اور بہنو! مسیح محمدیؑ کی جاری کردہ اس عظیم الشان جدوجہد کا مشاہدہ کرو جو اُس نے اسلام کے غلبۂ نَو اور صلیب کو توڑنے کے لئے جاری کی اور جس کی پے در پے پُرشوکت ضربوں سے آج یورپ اور امریکہ اور افریقہ کے کلیساؤں پر لرزہ طاری ہے۔ جس نے آنا تھا وہ آچکا اور وہ کام بھی دنیا کو کر کے دکھا چکا جو خدائی وعدہ کے مطابق اُسے کرنا تھا۔ پس مَیں مسیح محمدیؑ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے الفاظ ہی میں آپ سے کہتا ہوں کہ:۔

"خُدا نے قول سے اور اُس کے رسُولؐ نے فعل سے یعنی اپنی چشم دید رویت سے گواہی دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور آپ نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ ارواح میں دیکھ لیا ہے۔ مگر افسوس کہ پھر بھی لوگ ان کو زندہ سمجھتے ہیں اور ان کو ایسی خصوصیت دیتے ہیں جو کسی نبی کو خصوصیت نہیں دی گئی۔ یہی

امور ہیں جن سے حضرت مسیحؑ کی الوہیت کو عیسائیوں کے زعم میں قوت پہنچتی ہے۔ اور بہت سے کچے آدمی ایسے عقائد سے ٹھوکر کھاتے ہیں۔ ہم گواہ ہیں کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فوت ہو گئے۔ اب ان کے زندہ کرنے میں دین کی ہلاکت ہے۔ اور اس خیال میں لگنا خواہ مخواہ کی خاک بیزی ہے۔ اسلام میں پہلا اجماع یہی تھا کہ کوئی نبی گذشتہ نبیوں میں سے زندہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے ثابت ہے۔ خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت بہت اجر دے۔ جو اس اجماع کے موجب ہوئے اور منبر پر چڑھ کر اس آیت کو پڑھ سنایا۔"

(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۴۶۔۲۴۷)

"یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسےٰ بن مریمؑ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی۔ اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریمؑ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریمؑ کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا۔ کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا۔ اور دُنیا دوسرے رنگ میں آگئی۔ مگر مریم کا بیٹا عیسےٰؑ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی۔ کہ عیسیٰ کا انتظار

کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اَب وہ بڑھے گا اور پُھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صـ۶۷)

Printed by
RAQEEM PRESS
Islamabad, Sheephatch Lane Tilford, U.K.